

پیشہ

رلانے والی مجھے رلاتی رعنی اور کتاب اس بار لیٹ ہو گئی۔ اس کتاب کے اشتہار میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ فریدی حمید کو دیکھ کر متحررہ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ فریدی سے زیادہ حمید خود فریدی کے معاملے میں متحرر تھا۔

عمران سیریز کے ناول "گیت اور خون" زیادہ تر پڑھنے والوں کو پسند آیا تھا اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اتنے خطوط آئے تھے کہ فرد افراد اہر خط کا جواب لکھنا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے اتنے لکھنے کو بہت جانئے اور میرا شکریہ قبول فرمائیے۔ دو چار خطوط میں ناپسندیدگی بھی ظاہر کی گئی تھی۔ بہر حال ان حضرات کا بھی شکریہ۔

اسی ناول میں کہیں میں نے "ذریتم" لکھا تھا۔ لہذا ایک صاحب نے اس کے معنی پوچھے ہیں "ذیتم" کے لغوی معنی ہیں "اکیلا"..... خاص قسم کا بڑا موئی جو صدف میں ایک ہی ہوتا ہے..... اسے "گوہر یکدانہ" در شہوار" بھی کہتے ہیں۔

تنیجہ..... در شہوار نام کی خواتین بھی ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے انہیں "ذریتم" کہنا شروع کر دیا تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔

جاسوی دنیا کے پلائیم جو بیل نمبر کے لئے ابھی سے تقاضے شروع ہو گئے ہیں۔ مطمئن رہئے۔ پڑھنے والوں کی خواہشات کے احترام میں اس کے لئے بھی کچھ کیا جائے گا۔

ضمیم ناول "دیو پیکر درندہ" کا شو شہ میں نے یونہی نہیں چھوڑا تھا۔ دیگر احوال یہ ہے کہ رسائل اور اخبارات کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔ کتابیں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ آخر وہی سب کچھ تو کتابوں کی تیاری میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کی گرانی کی بناء پر اخبارات اور رسائل کے دام بڑھائے گئے ہیں۔ فی الحال یہ تغیر پر تغیر حالات کا مقابلہ کر رہا ہے لیکن کب تک..... ہو سکتا ہے عمران سیریز اور جاسوی دنیا کی قیمتوں میں بھی اضافہ کرنا پڑے۔

لہذا کچھ خیال نہ فرمائیے گا۔

ابن مسعود

حیرت کے لمحات

ہلی سرکل ناٹ کلب کے ڈائیکر ہال میں مدھم ہی بزرگ مائل روشنی پہلی ہوئی تھی۔ میزیں آباد تھیں۔ ہونٹ لٹتے نظر آتے۔ ہاتھ متھر ک ہوتے لیکن ملی جملی آوازوں کا آہنگ ہلکی ہی بھجنناہٹ سے آگے نہ بڑھنے پا تا۔ تھوڑے تھوڑے و قلنے سے جب ہلکی موسیقی ہال میں گوشچی تو پھر آوازیں بالکل ہی دب کر رہ جائیں۔

کیپشن حمید اپنی سیز پر تھا تھا۔

تھا اور اوس..... تھا اس لئے کہ ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اور اوس اس لئے کہ شادی ہو جانے کے بعد پچھے بھی ہوتے ہیں اور انہیں گھر پر چھوڑ کر خود کلب پڑھے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ کلبوں میں مارے پھرنا کوئی معقول حرکت نہیں۔ لہذا وہ شادی کرے گا اور نہ اسے نامحولیت کے احساس سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تھا اور اسی برق ہے۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”کئی دن سے ایک بخیلی ڈاڑھ میں تکلیف ہے؟“ فیجر نے بسوار کر کہا۔

”لاحول ولا قوۃ.....!“

”بھی.....!“ وہ چونک کر اسے گھورنے لگا۔

”ڈاڑھ.....!“ حمید کے لمحے میں خاتمت تھی۔ ”تم خود کو شاعر کہتے ہو۔“

”لک.....کیوں.....!“

”ایسے کریہہ الصوت الفاظ تھماری زبان سے ادا کیسے ہوتے ہیں۔“

”واہ جناب..... تو پھر ڈاڑھ کو کیا کیوں۔“

”مت بور کرو۔“ حمید نے اسامنہ بنتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”پتہ نہیں آج آپ کا موڈ کیا ہے؟“

حمدیج چھٹا کر پلٹا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں آج بہت اداس ہوں۔ ہے کوئی علاج تھمارے پاس۔“

”علاج.....!“ فیجر نے قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر دنوں ہاتھوں سے اپنا بیاں پہلو دبائے ہوئے کہا۔ ”میں بھول جاتا ہوں کہ دل کا سریض بھی ہوں اور مجھے اتنے ذور سے نہ ہستا چاہئے۔“

”کاش تم کچھ دیر اور اسی طرح ہستے رہتے۔“

”تو آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں۔“

”اکثر بیویاں اپنے شوہروں سے ایسے سوالات کرتی ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ فیجر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں تو نسلی کرنے آیا تھا..... یہاں یہ بقول شاعر..... ہونہے.....!“

”بیٹھ جاؤ۔“ حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تھکمانہ لمحے میں کہا۔

”نہیں صاحب! میں تو دشمن ہوں..... بقول.....!“

”شعر اب بھی نہیں سنوں گا.....!“ حمید نے اس کی کلائی پر اپنی گرفت میغبوطاً کرتے بتلا ہو گیا ہو۔

ایک اپنی نغمہ لاوڈ اپنکر سے منتشر ہو رہا تھا۔ فضائیں ایک ماںوس سی خوشبور چی بھی تھی۔

ای ہال میں اس نے صدھا خوشنگوار شامیں گذاریں تھیں..... تھا بھی اور دوسروں کے ساتھ بھی..... لیکن یہ شام..... نہ جانے کیوں عجیب سی لگ رہی تھی۔

نہ اسے کسی کا انتظار تھا اور نہ کسی خاص مقصد کے تحت یہاں آیا تھا..... نہ اداسی لائی تھی اور نہ تھائی۔ اداس تو وہ یہاں پہنچ کر ہو گیا تھا۔

اس نا معلوم سی اداسی کا دورہ اکثر پڑتا تھا۔ اب اس وقت اس کی بھجہ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس تاثر کو ذہن سے جھٹک دینے کے لئے کیا کیا جائے۔

دفعتا کلب کے فیجر پر نظر پڑی جو اسی کی طرف آ رہا تھا۔ ہونتوں پر مسکراہست تھی اور آنکھیں پر تپاک انداز میں چمک رہی تھیں۔

”میری خوش قسمتی ہے جناب کر آپ کبھی کبھی تعریف لاتے رہتے ہیں۔“ اس نے قریب پہنچ کر کہا۔ ”بقول شاعر۔“

”ایک منٹ.....!“ حمید نے اپنے اٹھا کر بولا۔ ”شعر نئے بغیر بھی تم مقصد بیان کر سکتے ہو۔“

”بھی ہاں..... بھی ہاں۔“ وہ دانت لکالے ہوئے بینگ گیا۔

”ہوں..... کیا بائٹ ہے؟“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ عاقر قرحم کے کہتے ہیں۔“

”ہوش میں ہو یا نہیں۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں کوئی موٹھ مکلیک ہوں۔“

اس پر وہ بھی نکلے مارے ڈو ہرا ہو گیا۔

حمدیہ نے شراست آمیر نظر ویں سے دیکھتا ہوا پلکیں جھپکا تارہ۔ کچھ دیر ہی پر قابو پانے میں لگی۔ پھر وہ ہاپٹا ہوا بولا۔ ”ارے جناب! بھلا اس کاموڑیا اس کے میکنزم سے کیا سروکار..... یہ تو ایک حکیم صاحب کے لکھے ہوئے نسخے کی چیز ہے۔“

”اوہ.....!“ حمید نے ایسا منہ بٹایا جیسے اپنی غلط فہمی پر نادم بھی ہو اور جھلاہست میں بھی بتلا ہو گیا ہو۔

”خیر ہائیے..... میں نہیں چاہتا کہ بات اس حد تک بھی بڑھے۔“

”تمہاری مرضی۔“

”کیا میں آپ کے لئے کافی منگواؤں۔“ فیجر نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

”نہیں میں جنگر پیوں گا۔ جب بھی معدہ چوبٹ ہوتا ہے تمہائی کے احساس کے ساتھ ہی ادا سی بھی بڑھ جاتی ہے۔“

”جواب نہیں ہے آپ کا بھی۔ خیر چھوڑیے۔ جس طرح آپ حق دوستی ادا کرتے ہیں اسی طرح اس وقت میں بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔“

”یعنی..... تم مجھے ایک بوتل جنگر پلا کر سبکدوش ہو جاؤ گے۔“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”مجھنے کی کوشش کیجئے۔“ فیجر بے حد سنجیدہ ہو کر بولا۔

حمید نے حرمت ظاہر کرنے کے لئے جلدی جلدی پلکنیں جپکا میں اور استفہا میں انداز میں اسے دیکھا رہا۔

”کل یہاں ایک حرمت انگریز مظہر دیکھنے میں آیا۔“ فیجر حمید کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

حمید نے پھر کچھ نہ کہد۔ فیجر نے خاموش ہو کر اس کی آنکھوں میں غالباً اپنے جملے کا رد عمل پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

اب حمید سر جھکائے اپنے پائپ کو اس طرح سہلا رہا تھا جیسے وہ پچدک کر اخلاق فیجر کی گرد میں جا بیٹھے گا۔

”لور وہ منظر.....!“ فیجر کچھ دیر بعد بولا۔ ”خدا کی قسم میرے لئے تو بے حد حرمت انگریز تھا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی انہیں ایسی حالت میں نہیں دیکھا۔“

”کیا ایک ناگ پر کڑے ہو کر بانگ دے رہے تھے۔“

”اُس سے بھی زیادہ حرمت انگریز..... اور وہ ایک عورت کی آنکھوں میں ایسی محبت سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے سوچا کاش میں بھی عورت ہوتا۔“

”کسی نے ہولی چھوڑی ہوگی۔“ حمید بے اعتباری سے پہنچا۔

ہوئے کہا۔

”نہیں صاحب! میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ فیجر نے کلائی چھڑانے کیلئے زور لگایا۔

”ٹوٹ جائے گی۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”لا ہوں والا تو قو۔“ فیجر نے جھینپے ہوئے لبجے میں کہا اور اس طرح ادھر ادھر دیکھنے کا جیسے اندازہ کرنا چاہتا ہوا کہ کسی نے اس کا اس حال میں دیکھا تو نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مراؤ کرم ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ میں نہیں انھوں گا۔“

”یہ لو.....!“ حمید نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”اور موڈ ٹھیک ہونے کے لئے صرف دو منٹ دے سکتا ہوں..... تم نہیں جانتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ محوڑا خاطر رہے کہ اگر محبوب سے چھیڑ چھاڑ بھی نہ ہوتی رہے تو پھر محبت کا فائدہ ہی کیا۔.... بقول شاعر.....!“

فیجر بندی سے نہیں پڑا۔

اب ہال میں ایک طربی نغمہ گونج رہا تھا۔

قریب کی بیز سے تازہ کافی کی بجا پ حمید کے تنہوں تک مجھی اور اس نے فیجر کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ ”تو آج کل نہیں کافی جمل رہی ہے۔ لیکن یہ امپورٹ تو ہوتی نہیں۔“

”ہرگز نہیں جتاب۔ ہم پلوں کے علاوہ اور کوئی برائٹ نہیں استعمال کرتے۔“

”کرتے ہو بھی تو کیا..... جسے ہم چاہیں.....!“ حمید جملہ پورا کرنے کی بجائے صرف باعیں آنکھ دبا کر رہا گیا۔

”مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے جتاب..... لیکن معاف کیجئے گا آپ حضرات نے اس کرامہ روپر ڈکھ کر بہت سرچھے خارک کیا ہے۔“

”انور کی بات کر رہے ہو۔“

”جی ہاں۔“ فیجر نے رہا سماں بنانا کر کہا۔ ”وہ حضرت مجھے بلیک میں کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔“

”ایک شکایت لکھ کر میرے حوالے کرو۔ کل ہی بند کرائے دیتا ہوں۔“

”تم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔“

حید جانتا تھا کہ وہ قسمیں لکھانے کا عادی نہیں لہذا اسے سنپھل کر بیٹھ جانا پڑا۔

”لیکن اتنی خوبصورت عورت بھی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔“

”تمہیں یقین ہے۔“

”کاش میں اس کے حسن کے بارے میں الفاظ کے اختاب پر قادر ہوتا۔“ فیجر نے
ٹھنڈی سانس لی۔

حید نے پاپ سلاگر جلدی دو تین کش لئے اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”لیکن میں نے دیکھا ہے کہ وہ بھی ایک سحرزدہ کی طرح کرغل کے بازوں میں آگئی تھی۔“

”تم اونگ تو نہیں رہے۔“ حید نے پھر آنکھیں لکالیں۔

”یا خدا..... اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو مجھے غارت کرو۔“

”اچھا..... انہوں نے آفس میں چلو۔“ حید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بڑے
پیار سے بولا۔

فیجر کے چہرے پر کچھ ایسی سنجیدگی ظاری تھی جیسے وہ اس اکشاف کے بعد دنیا کی اہم
ترین شخصیت بن گیا ہو۔

وہ آفس میں آئے..... یہاں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فیجر کی حالت میں کسی قسم
کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ یعنی آنکھوں پر جگلی آرہی تھیں اور ہونٹ بچپنے ہوئے تھے۔ حید
اسکی طرف ایک بار سے زیادہ دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس کے چہرے کی کسی نئی تبدیلی پر پہنچ
نہیں کب فہمی آجائے۔

”آپ کو یقین نہیں آ رہا۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بھرا کی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے بھی اپنی
آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔ اسے کسی طرح بھی جھلایا نہیں
جا سکتا۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتے لیکن حیرت کا انکھاڑ تو مجھے بھی کرنا ہی پڑا تھا۔“

”کیا چہرہ تھا..... کیا آنکھیں تھیں..... ہائے وہ ہونٹ تو بھلانے نہیں بھولتے۔ یا تو
کے تراشے تھے۔ بقول شاعر..... پھر ہر اک گلبہ کی سی ہے۔“

”اب بس کرو..... آج بب بندھ کر نہیں آیا..... رال پکنے لگی تو کوٹ کا ستیا ہاں
ہو جائے۔!“ حید نے ٹھنڈی سانس لی۔

”وہ ایسی ہی تھی کپتان صاحب..... لیکن جب کرغل صاحب نے اس سے رقص کے
لئے درخواست کی تھی تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ ان مقناطیسی پانہوں میں کسی ہلکی پھلکی سوئی کی
طرح کچھی چلی آئی ہو..... پھر رقص شروع ہوا تھا۔ کرغل ہوئے ہوئے کچھ کہر رہے تھے اور وہ
خواب گوں آنکھوں سے ان کا چہرہ تکے جا رہی تھی۔ خود اس کے ہونٹ ساکت تھے اور مجھے
اس کے دل کی دھڑکن بہت فاصلے سے بھی محسوس ہو رہی تھی۔“

”مجھے سے زیادہ خوش قسمت ہو۔ مجھے تو بعض اوقات اپنے ہی دل کی دھڑکنیں بھی محسوس
نہیں ہوتیں۔“

”از ایجینے مذاق.....!“ فیجر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اسے آپ نے دیکھا ہی نہیں
ورنہ آپ بھی اس وقت کہیں اور ہوتے۔“

”خیر ہاں تو پھر کیا ہوا.....؟“

”اُدھر وہ دونوں نئے کی لہروں میں بہنے جا رہے تھے اور اُدھر ایک آرہی بُری طرح پیچ و
جب کھا رہا تھا۔ اس نے کئی فورک توڑ ڈالے کئی چھریاں موز دیں۔ کئی پلٹیں سکے مار مار کر توڑ
اُن..... سنگ مرمر کی میز پر گھونسہ مارا وہ پیچ سے دو ٹکڑے ہو گئی..... پھر مجھے کھانے دوڑا
زمزادہ۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔ کون تھا وہ.....!“

”خان وجاہت..... خجم الدولہ کے صاحبزادے۔“

”یہ کن جانوروں کی بات کر رہے ہو۔ میں اس نسل سے واقف نہیں ہوں۔“

”خجم الدولہ کو نہیں جانتے..... کئی آڑن فیکٹریوں کے مالک..... جنہیں لو ہے کا خط

ہے۔ لے کے کام فولاد خان رکھا تھا..... سنا ہوں یگم صاحب نے وجاہت کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس پر تین سال تک ان کی محل نہیں دیکھی تھی۔ خاندانی لوگ ہیں..... نوابی گئی تو سرمایہ داری اختیار کی۔ بہر حال اب ہیں تو بننے ہی لیکن اکڑ فوں وہی ہے..... صاجزادے پانچ چھ سال نیکس میں رہ کر آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے پیدا بھی وہیں ہوئے ہوں..... اردو بھی امریکی بھج میں بولتے ہیں۔ بات بات پر ایسا منہ بنا میں گے جیسے کسی نے گالی دے دی ہو۔ مگر ہے جناب طاقتور..... بیز پر ایک عی مکونز مارا تھا کہ نجع سے دو ٹکڑے ہو گئی۔

”تو وہ کیوں ہو کھانا رہا تھا؟“

”عورت دراصل اسی کے ساتھ تھی۔ کرنل نے اس کی پرواد کئے بغیر رقص کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے تھے..... اور وہ ان کے ہازروں میں کھنچی چلی گئی تھی۔“

حید کی سخنوں تک گئی تھیں اور وہ بچھا ہوا پاسپ سلکنے لگا تھا۔

”پھر میں نے خان وجاہت کو بڑی بڑی قسمیں کھاتے سن تھا..... شائد کرنل صاحب کو بچھانتا تھیں..... اس لئے کہہ رہا تھا وہ کوئی بھی ہو میں اسے جان سے مار دوں گا۔“

”اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ راؤ غذ ختم ہونے کے بعد کیا ہوا تھا۔“ حید نے اتنا کہا۔

”پھر وہ رقص کرنے والوں کی بیڑ سے تھا وہ اپنی آتی دکھائی دی تھی۔ کرنل صاحب تو کہن لنظر نہ پڑے تھے۔“

”تم بتانا کیا چاہئے ہو.....؟“

”کمال ہو گیا..... آپ ابھی تک سمجھے ہی نہیں۔“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔“

”کیا.....؟“ حید نے آنکھیں نکالیں۔

”کیا میں ہر ایک کی دم سے بند جا پھرتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ تم بھی اس عورت میں وچھپی لیتے رہے ہو ورنہ اس کے بارے میں اتنی تفصیل سے کہیے بتا سکتے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ تم ہر وقت ڈائنگ ہال یا رکن پیشی ہال کے

چکر لگاتے پھر د۔“

”یہ سرا اتهام ہے۔“

”بقول شاعر.....!“ حید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سکرایا۔

”آپ کی آنکھوں میں مرد نہیں ہے۔“ فیجر اتنی دیر میں غصے سے ہمپتے لگا تھا۔

”خیر میں تو معلوم ہی کرلوں گا کہ چکر کیا ہے..... پھر دیکھنا۔“

”کیا دیکھوں گا.....؟“

”کچھ نہیں۔“ حید نے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔

فیجر سے ملی ہوئی اطلاع دیکپ بھی تھی اور تشویش ہاں بھی..... اس کا خیال تھا کہ کبھی

نہ کبھی آتش فشاں سے لا اضطرور پہنچے گا۔ فطرت سے کب تک جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے۔

وہ عجیب سی بے چینی میں بتا ہو گیا تھا۔ ایک بے نام سی خلش..... لا خول ولا قوہ.....

اس نے سوچا..... بھلا اسے کیا؟

فریدی صاحب بھی آدمی ہیں..... محاورہ نو ہے کے بنے ہوں گے، لیکن رگوں میں تو

خون دوڑ رہا ہے اور دل بھی محاورہ ہی پھر کا ہو سکتا ہے لیکن اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ

دوسروں کی محبوباوں پر ہاتھہ ذاتے پھریں گے۔

لیکن آخر وہ عورت کیسی ہو سکتی ہے جس نے ایسے ثقہ آدمی کو ان بے راہ روی پر مجبور

کر دیا۔

فیجر کم از کم اس سے اس کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔

لا خول ولا قوہ..... اس نے ایک بار پھر اپنے ذہن کو جھکھارنے کی کوشش کی۔ بھلا اسے

کیا؟ ہو گا کچھ.....!

بوریت بڑھتی جاری تھی۔

اس نے سوچا کیوں نہ قاسم کو بالایا جائے۔ اس کے ساتھ وقت بہر حال اچھا کھتا ہے۔

کاؤنٹر سے اسے فون کیا۔ گھر ہی پر موجود تھا لیکن چھوٹتے ہی بولا۔

”میں اس وقت نہیں آ سکتا۔“

”آخر کیوں.....؟“

”میری بیگم ایک استانی سے انہم ایڈری کا کام سیکھ رہی ہیں۔“

”بیگم سیکھ رہی ہیں نا..... تم چلے آؤ۔“

”نہیں میں دنخ رہا ہوں..... کہیں اللہ سید حانہ سکھا دے۔“

”کیسی ہے.....؟“

”لا جوں والا کوت..... سالے ہمیشہ گندی بات سوچو گے۔“

”ضرور تھا رے معیار کی ہے بھگی.....!“

”اچھا بس.....!“ دوسری طرف سے جملائی ہوئی آواز آئی اور سلسلہ منقطع کرو یا گیا۔

حید بنے بھی رسیبور رکھ دیا..... وہ سوچ رہا تھا..... عورت..... عورت ہر طرف عورت چہار جانب اسی کے تذکرے..... لعنت ہے..... اور تو اور..... میں خود بھی..... تو کیا اب

میں خود اپنے ہی سر پر جوتے لگاؤں۔ ارے حد ہو گئی..... یہ بوڑھے..... عورتوں کی بے راہ روی کا تذکرہ تو منہ بگاڑ کر کریں گے لیکن تفصیل کے ساتھ..... رال پٹکاتی ہوئی آنکھیں اس

وقت دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں جب وہ ان کے چست لباس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہوتوں میں تو تغیر آمیز کھنچا ہوتا ہے لیکن آنکھیں بھیک مانگتی نظر آتی ہیں اور پھر آخر تفصیل میں جانے کی

کیا ضرورت ہوتی ہے۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ آج کل کی عورت خود نمائی کے سلسلے میں سخت نامعقولیت کا ثبوت دے رہی ہے..... اوہ..... عورت..... عورت.....!

اس نے اپنے بالوں کو مشی میں جکڑ کر جھٹکا دیا۔ کس طرح نکلے عورت ذہن سے۔ کیا ضروری ہے کہ بوڑھوں اور ان کی ذہنی کجردی کے بارے میں سوچا ہی جائے۔ ضرور سوچ جائے گا..... کیونکہ عورت کا معاملہ ہے۔ ہزار بار لعنت..... خداوند امیں کیا کروں..... آدمی کا

پولی سے کسی حوا کی پیدائش کی کیا ضرورت تھی..... تو بڑی شان والا ہے..... صرف آدم سے کام چالایا ہوتا۔ نہیں چلی..... عورت کے بغیر تیری بھی نہیں چلی۔

پھر اس کا جی چاہا کہ اپنے کپڑے جو پھر چڑا کر پا گلوں کی طرح چھینتا ہوا وہاں سے نکل جا گے۔ شاید ایسا کر بھی گذرتا..... لیکن دوسرے عین لمحے میں ایک عورت نظر آئی۔ صدر دروازے سے ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ غیر ملکی تھی اور کسی سفید فام نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن خدا کی پناہ..... حسن بے پناہ کی تصویر۔ حمید تو بس دیکھتا ہی رہ گیا اور پھر یہ بھی بھول گیا کہ ابھی عورت ہی کے تصور سے پیچھا چھڑانے کیلئے دیوانہ پن کی سرحدوں کو چھو نے لگا تھا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔

رفار کا تو جواب ہی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہبڑوں میں کنوں ڈول رہا ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور پر نظر نہ تھی۔

اس نے اسے ڈائنگ ہال سے گزر کر ریکریشن ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ نظروں سے او جھل ہو جانے کے باوجود ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہلکے ہلکوڑے لیتی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

دفعتا وہ کسی کی سرگوشی پر چونکا..... مژکر دیکھا تو فیجر نظر آیا۔ وہاب بھی اس طرح جھکا کھڑا تھا جیسے اس کے کان ہی میں کچھ کہنا چاہتا ہو۔ اس نے سرگوشی کی۔

”دیکھا آپ نے.....!“

حید نے اثاثی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور ریکریشن ہال کے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

”ارے کرٹل صاحب بھی.....!“ اس نے فیجر کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی۔

حید پھر اس کی طرف مڑا..... فریدی پر نظر پڑی..... وہ صدر دروازے سے داخل ہو کر اسی طرف آ رہا تھا۔

حید نے ہونٹ بھینچ لئے اور فیجر کو اس طرح گھورنے لگا جیسے مار بیٹھے گا۔

شاید اس کی اسی حرکت کی بنا پر فریدی سیدھا اسی طرف چلا آیا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے یئرے سے اوپر تک حید کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

اور پھر اسے وہ عورت یاد آگئی جو اس کے ذہن پر ایک خوابناک ساختار چھوڑ گئی تھی۔
”اچھی بات ہے فریدی صاحب۔“ اس بار وہ اپنے سر کو جبش دے کر بڑھ دیا تھا۔
پار لگ ک شید سے اس نے اپنی موڑ سائیکل نکالی اور بس چل پڑا۔ منزل کا تعین کئے بغیر.....
کچھ دیر بعد ایک بھری پری سڑک سے گزرتے وقت اس نے پیک ٹیلی فون بوتحہ کے
قریب موڑ سائیکل روکی اور اتر کر بوتحہ میں آیا۔

”وسرے لمحے میں وہ ہائی سرکل نائن کلب کے فیجر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔
”ہیلو.....!“ دوسری طرف سے فیجر ہی کی آواز آئی۔

”میں تمہارا مخلص ترین دوست یوں رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔
”یعنی..... اوہ کپتان صاحب۔“

”ہاں..... پیارے..... اب کیا احوال ہیں۔“

”ابھی میں نے ریکریشن ہال میں جھانکا تھا..... دونوں الگ میزوں پر تھا ہیں۔“
”اوہ وہ نجم الدولہ کے فرزند رشید.....!“

”وہ تو ابھی تک نہیں دکھائی دیا۔“

”دونوں میزوں کے درمیان انداز آکتنا فاصلہ ہو گا.....!“ حمید نے پوچھا۔

”اتنا فاصلہ کہ کچھ بھی تو نہیں ہو سکتا۔“ مضطربانہ انداز میں جواب ملا۔

”پھر بھی.....!“

”وہ میزیں حائل ہیں تھیں میں۔“

”اگر حائل نہ ہوتیں تو تمہاری دانست میں کیا ہوتا۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

”لک..... کیا ہوتا..... یعنی ک..... عجیب سوال ہے۔“

”ہتاو.....!“ حمید غرایا۔

”اوے واه جناب..... یہ اچھی رہی۔“

”میں جواب چاہتا ہوں۔“

”لک..... کچھ نہیں جناب.....!“ فیجر ہکایا۔

”تو پھر.....!“

”کچھ نہیں جناب عالی.....!“ فیجر نے کہا اور تیزی سے اپنے آفس کی طرف مڑ گیا۔
حید اب فریدی کی آنکھوں میں بغور دیکھ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر گہری سمجھیگی کے
آثار تھے۔

وقتاً اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں تمہارے آفیسر کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں
کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔“

دوسری خبر

کچھ دیر بعد لان کی محلی ہوا میں حمید کو ہوش آیا..... ورنہ اسے تو یاد نہیں کہ وہ ہال سے
باہر کیے آیا تھا۔ خود آیا تھا یا.....

اس نے دو چار گہری سانسیں لیں اور بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ غالباً وہ خود
ہی یہاں تک پہنچا تھا۔ اس نے سوچا..... آخر اس طرح تاؤ کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ ہوش و
ہواس کھو بیٹھا۔ لیکن فریدی کا تحکمانہ انداز شام کے اپنے اندر انہمار تنفس بھی رکھتا تھا۔ غالباً وہ سمجھ گیا
تھا کہ فیجر نے اسے اس عورت کے بارے میں ضرور بتایا ہو گا..... تو پھر..... کیا اسے اسی طرح
پیش آتا چاہئے تھا..... اسی طرح.....

ایک بار پھر اس کی مٹھیاں بھنج گئیں اور بڑھتے ہوئے غصے کے اثر سے ذہن فلا بازیاں
کھانے لگا۔

اچھی بات ہے فریدی صاحب۔ اس نے سوچا اگر آپ بہکے ہیں تو میرے ہاتھوں آپ
کو کافی پریشان ہونا پڑے گا۔

”اچھا تو وہی ہوتا جو ہونا چاہئے۔“ غالباً نیجر بھی طیش میں آگیا تھا۔

”کیا بکر ہے ہو.....!“ حمید چینجا۔

لیکن دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے دانت پیٹتے ہوئے رسپور رکھ دیا۔

چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر دوسرے سکے کافون کرنے کے بعد دوبارہ ہائی سرکل سے رابطہ قائم کر سکا۔

”خفا ہو گئے..... پیارے دوست.....!“ اس نے بڑے پیارے کہا۔

”آپ باتیں ہی ایسی کرتے ہیں جناب۔“ نیجر کی آواز میں ابھی اکثر باقی تھی۔

”تموں دو غصہ مری جان..... ایسی سہانی راتیں بار بار نہیں آتیں۔“

”جی..... جی..... جناب..... یعنی کہ..... ہی ہی ہی..... آپ تو..... ہی ہی..... بقول شاعر۔“

”خیر..... خیر..... سنوبات..... تمہیں ہمارے کریم صاحب پر نظر رکھنی ہے..... بڑے پارسا بننے تھے بے چارے۔“

”مل..... لیکن..... اگر انہیں معلوم ہو گیا تو.....!“

”وہ میں دیکھ لوں گا..... تم فکرنا کرو۔“

”بہت اچھا جناب.....!“

حمد سلسلہ منقطع کر کے بوتحہ سے باہر نکل آیا۔ لیکن اب سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کی کرنا چاہئے۔ پھر اس نے سوچا کیا حماقت ہے؟ میری بلاسے۔ لیکن آخر اس بے شکر رویے کی کیا ضرورت تھی۔ دم سے تو بندھانہ رہتا۔۔۔ یا حضرت کو خیال تھا کہ میں آپ کی منظور نظر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ لا حول ولا قوۃ۔۔۔ لیکن ہے زوردار۔۔۔ کچھ عجیب انداز رکھتی ہے۔ آنکھیں کتنی پر اسرار تھیں۔۔۔ اتنی گہری سیاہ آنکھیں اس سے پہلے کسی سفید فام نسل میں نظر نہیں آئی تھیں۔۔۔ اور۔۔۔ جہنم میں جائے۔۔۔ گردن جھلک کر موڑ سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن تھوڑی دریک مختلف سڑکوں پر چکراتے رہنے کے بعد اس نے سوچا کہ اسے خان

وجاہت کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیں۔ وہ قاسم کے طبق سے تعلق رکھتا ہے۔
ممکن ہے وہ اس سے متعلق کچھ بتا سکے۔

بس پھر موڑ سائیکل کا رخ عاصم لاج کی طرف ہو گیا۔

تقریباً پندرہ بیس دن سے قاسم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حمید کو توقع تھی کہ اچھے ہی موز میں ملے گا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ کچھ ہی در پہلے وہ فون پر اپنی بیوی کی کسی استانی کا تذکرہ کو چکا ہے جو ان دونوں اسے ایکبر ایڈری سکھا رہی ہے۔

بہر حال..... اس نے سوچا دیکھا جائے گا۔ قاسم کی چڑچڑا اہم بھی تو پر لطف ہوتی ہے
اور اس وقت وہ تفریغ کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا۔

قاسم کی کوئی پیش کر اسے اطلاع ملی کہ ”صاحب بڑی ہیں.....!“ لیکن ملازم یہ اطلاع دیتے وقت مخصوص انداز میں مسکرا یا تھا۔ وہ حمید سے والف تھا۔ دونوں کے تعلقات کا بھی اسے علم تھا۔

”بے حد ضروری کام ہے۔“ حمید بولا۔

”صاحب..... انہوں نے کہا ہے کہ کسی سے بھی نہیں مل سکیں گے۔“

”مجھ سے بھی نہیں۔“

”آپ ہی کے لئے تو خاص طور پر کہا ہے۔“

”اچھی بات ہے..... تو یہ پرچہ انہیں دے آؤ.....!“ حمید نے کہا اور اپنی پاکٹ بک کے ایک صفحے پر لکھنے لگا۔ ”رام گندھ دا لے واقعات تمہاری بیوی کو بتا دیئے جائیں گے۔“
صفحہ نوٹ بک سے پھاڑ کر تھہ کرتے ہوئے اس نے ملازم سے کہا۔ ”آن کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ میں نہ دینا ورنہ نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔“

”بہت اچھا صاحب۔“

ملازم چلا گیا اور حمید پورچ میں کھڑا ہم سروں میں سیٹی بجا تارہا۔

کچھ دیر بعد قاسم دندناتا ہوا باہر آیا۔ نو کراس کے پیچے تھا۔

”بلقل سالا کہہ رہا ہے بیوی کی ٹانگیں چھپ کر پھینک دوں۔ میں دوسری شادی کر دوں گا۔“

حید بوكھلا گیا۔ ویسے ہی وہ سمجھتی تھی کہ قاسم کی ذہنی بے راہ روی میں اسی کا ہاتھ ہے۔ لہذا اس بات پر بھی اُسے یقین آجائے گا۔

پھر قتل اس کے کہ قاسم کی بیوی اُس سے کچھ کہتی اُس نے جھپٹ کر موڑ سائکل اسٹارٹ کر دی اور دونوں میاں بیوی کی آوازیں اس کے شور میں دب کر رہے گئیں۔ حید کا اندازہ تھا کہ دونوں ہی کچھ نہ کچھ بک رہے تھے۔

موڑ سائکل فرانٹ بھرتی ہوئی چالنک سے گزرنگی۔

”یہ زندگی ہے؟“ اُس نے سوچا۔ ”اور اپنے ہی ہاتھوں پھر کیا کیا جائے۔“

”عیش!“ ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی اور اُس نے اگلی ہی سڑک سے موڑ سائکل کا رخ نیا گرا کی طرف موڑ دیا۔

رات کے نوبیکے تھے۔ شہر سے باہر نکلتے ہی ایسا محosoں ہوا جیسے ساری ذہنی گھلن خلاء کی دعتوں میں تخلیٰ ہو گئی۔

موڑ سائکل خاصی تیز رفتادی سے راستے پر کروی تھی۔ نیا گرد ٹکنچے ٹکنچے اس کا موڈ بالکل ہی بدل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ شام ہی سے کافی ہشاش بٹاش رہا ہو۔

نیا گرد حسب دستور زندگی سے بھر پور تھا۔ ہال میں بہتری جانی پچالی شکلیں نظر آئیں۔ بعض لوگوں نے اُسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی بھی دعوت دی۔ لیکن وہ وہ تو اس وقت نہ جانے کیا جاتا تھا۔

بس ایک لمحیٰ میز غصب کی جو دور اقتدار ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایسی جگہ تھی جہاں سے ہال کی ساری میزوں کا چائزہ لیا جاسکتا تھا۔

ایتنے بڑے ہال میں ساری ہی میزوں کو انگوچ ہونیں سکتی تھیں۔ دراصل یہی خیال اُسے نیا گرد ٹکنے لے آیا تھا۔ درنہ شہر کے ہٹلوں میں اس وقت علی ہر نے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔

”تم جاؤ!“ حید نے ملازم سے کہا اور اُس نے اُس کے چہرے پر مایوسی کے آثار دیکھے۔ قاسم کے ملازمین تک اُس کے بیکنے کے مختصر رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خاصی تفریخ مہیا کرتا تھا بہک کر۔

وہ چلا گیا۔ قاسم اب بھی خاموش کھڑا حید کو گھورے جا رہا تھا۔

”تم سے ایک آوفی کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں۔“ حید نے آہستہ سے کہا۔

”میں تم سے پوچھتا ہوں تم نے ہمچی کیوں دی۔“ قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔ ”وہ میری جورو ہے۔ میں اُس کی ٹانگیں چھپ کر پھینک دوں گا۔“

”یہ نیک کام جلد سے جلد کر ڈالو تاکہ میں تمہارے لئے دوسری جورو کا انتظام کر سکوں۔“

حید نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

”میں بھرے میں نہیں آؤں گا چکد نہیں ہوں۔“

”اب اتی بے اعتباری میں تو تمہارے لئے یہاں تک!“

حید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ قاسم کی بیوی بھی پہنچ گئی اور قاسم نے بوکھلائے ہوئے لجھے میں کہنا شروع کیا۔ ”ابے چوب ابے چوب!“

بیوی دونوں کو خاموشی سے گھورے جا رہی تھی۔

”ہاں تو تم خان وجاہت کو جانتے ہو!“ حید نے اُس کی بیوی کی طرف توجہ دیئے بغیر پوچھا۔

”لگنگو کا موضوع بدلتے کی ضرورت نہیں۔“ قاسم کی بیوی نے تیز لجھے میں کہا۔

”کیا مطلب?“ حید نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔ پھر جلدی سے بولا۔

”آدب آدب بلکہ تسلیمات بھی قاسم صاحب تو اب اتنے بداخلاق ہو گئے ہیں کہ بیٹھنے کو بھی نہیں کہتے۔“

”تم!“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تم تو نہیں پورچ کی نیڑھیوں پر بیٹھو گے۔“

”اب اسکی بھی کیا بد اخلاقی!“ بیوی نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

اور وہ بوكھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہنہ کسی نے اسے اس طرح خواہ مسکراتے تو نہیں دیکھ لیا۔

یہاں کا حساب بے باق کرنے کے بعد اس نے ریکریشن ہال کی راہی۔ نہ جانے کیوں آج یہاں بھی آبادی معمول سے کچھ کم رہی تھی۔ پھر اس کی وجہ بھی اُس کی سمجھ میں آگئی۔ نیم عربیاں جسموں والا کمیرے تو تھا نہیں۔ ایک سیاہ فام نسل کی لڑکی اپنی گلوکاری کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ بھلا اُس سے کسی کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

تحوزی دیر بعد رہبا کے لئے موسيقی شروع ہو گئی۔ حمید اپنی میز پر تھا ہی رہا۔
رقص کرنے والے جوڑے انٹھ انٹھ کر چوبی فرش پر جانے لگے۔

حمد بے دلی سے اس ہنگامہ رنگ و صوت کی طرف متوجہ رہا۔ راؤ ڈھرم ختم ہونے کے تحوزی در بعد ماٹیک پر معلمن نے کہا۔

”خواتین و حضرات..... اب ماموزٹل صفورا کلاسوری تشریف لارہی ہیں۔ موصوفہ نے مغربی اور عرب موسيقی میں کچھ دلچسپ تجربات کئے ہیں۔ اس وقت وہ دونوں کے امتزاج سے اختراع کی ہوئی ایک چیز نا میں گی اور رقص کے لئے آپ کو اس کے اشیپ بھی بتا میں گی۔ ماموزٹل صفورا کلاسوری۔“

اور پھر وہ اسٹچ پر نمودار ہوئی۔ سانچے میں ڈھلا ہوا جسم تھا۔ آبنوی رنگت بعض زاویوں سے چمکتی ہوئی سی لگتی تھی اور سفید لباس میں تو بس وہ عی وہ نظر آرہی تھی پورے ہال میں۔ پھر جب کچھ کہنے کے لئے لب کشائی ہوئی تو حمید کو تشبیہ نہ سو جھ سکی۔ کیونکہ کاملے بادلوں کے دامن میں کوندے کی لپک تو بہت پرانی تشبیہ غہری۔

وہ اُس گیت کے بارے میں کچھ بتانے لگی جسے پیش کرنا تھا۔ اس کے بعد رقص کے لئے اشیپ سمجھانے لگی تھی۔ کچھ جوڑے اپنی میزوں کے قریب ہی کھڑے ہو کر بتائے ہوئے اشیپ کی آزمائش پر آتی آئے۔ رقص اور گیت..... گیت اور رقص..... براخوابناک ماحول تھا۔

ذراعی سی دیر میں صفورا کسی دوسری دنیا کی مخلوق معلوم ہونے لگی۔ حمید کے ذہن پر ہلکی سی

اس نے ایک بار پورے ہال کا جائزہ لیا اور پھر ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ رات کا کھانا بھی ابھی تک نہیں کھایا تھا۔

سوپ پیتے وقت وہ سوچ رہا تھا اتنی واہیات شام گزارنے کا اتفاق اس سے پہلے شام د کبھی نہیں ہوا۔ پہلے فریدی نے سخت توہین کی پھر قاسم پر پھینکا ہوا جوتا خود اپنے منہ پر آپڑا..... لہذا بحثاطر ہتنا چاہئے..... ستارہ گردش میں معلوم ہوتا ہے۔

کھانا ختم کر کے اس نے کافی طلب کی اور پاپ میں تباکو بھرنے لگا۔ ویٹر مینو کے ساتھ ریکریشن ہال کا پروگرام بھی لا یا تھا۔

اس میں ایک نیگریں کی تصویر دیکھ کر دل باغ ہو گیا۔ یہ گلوکارہ مصر سے آئی تھی اور آج کل نیا گرہ میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

رنگت جیسی بھی ہو۔ حمید نے سوچا لیکن خدو خال کچھ ایسے نہ رہے نہیں۔ آنکھیں خاصی پرکشش ہیں۔

اس نے کاؤنٹر پر جا کر اپنے لئے ریکریشن ہال میں ایک میز مخصوص کرائی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔ کافی کا انتظار تھا..... ویسے کافی ریکریشن ہال میں بھی بی جا سکتی تھی لیکن وہ ویٹر کو اس کے لئے ہدایت نہیں دے سکتا تھا۔

رات سک سک کر رنگتی رہی۔

آخر وہ یہ سب کچھ کیوں کرتا پھر رہا ہے۔ اس نے سوچا اور کافی کے گھونٹ پہلے سے بھی زیادہ تر محسوس ہوئے۔

کس کی تلاش ہے اسے۔ کیا کسی عورت کی ہم نشینی کا خواہش مند ہے۔ شہر میں ایک نہیں درجنوں ایسی تھیں جو محض فون کال پر دوڑی آئیں۔ یہ بھی نہیں تو پھر کیا چاہتا ہے؟

”تبدیلی..... محض تبدیلی.....“ اس کا ذہن کسی بچے کی طرح چیخ پڑا۔

معمولات زندگی کی یکساںیت بغیر کمائے ہوئے چڑیے کے جوتوں کی طرح تکلیف و ہو گئی تھی۔ تو پھر شاید یہ تبدیلی ہے؟ دفعتاً ایک بے ساخت قسم کی مسکراہٹ اس کے چہرے کو دمکا گئی۔

لٹ کے ذریعہ دو منزلیں طے کیں لورٹھیک اسی کمرے کے سامنے آ رکا جہاں صفوراً مقیم تھی۔
 دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی۔

”کون ہے؟“ اندر سے آواز آئی۔ ”ایک منٹ تھہرو۔ میں لباس تبدیل کر رہی ہوں۔“
 اور پھرٹھیک ایک منٹ بعد اس نے دروازہ کھولا تھا اور حمید کو دیکھ کر تھنک گئی تھی۔

”آٹو گراف.....!“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

حید نے خاموشی سے سر کو نفی میں جبتش دی۔

”پھر.....!“

”میں نہیں جانتا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔“ اس نے بھرا تی ہوئی آواز میں کہا اور
 صفوراً اسے آنکھیں چھاڑ کر دیکھنے لگی۔

”ائٹچ کے قریب تم ہی کھڑے تھے۔“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ہاں..... شاہد میں ہی تھا۔“

”یقین نہیں ہے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرا کی۔

”میں کچھ نہیں جانتا..... جب مجھے ہوش آیا تھا تو میں نے محبوں کیا تھا کہ ایٹچ کے
 قریب کھڑا ہوں اور مجھے بڑی شرمندگی ہوئی تھی۔“

”اوہ..... معاف کرنا..... میں نے ابھی تک تمہیں اندر آنے کو نہیں کہا۔“

”کیا ضرورت ہے..... میں یہیں سے واپس چلا جاؤں گا۔“

”پھر آئے کیوں تھے؟“

”میں یہیں نہیں جانتا۔“

”عجیب آدمی ہو..... آؤ..... اندر آؤ..... میں تمہارے دلیں میں اپنی ہوں۔“

”میں تو اپنے ہی دلیں میں اپنی ہوں۔“ حید طویل سانس لے کر بولا۔

”واقعی عجیب ہو..... آؤ..... آؤ.....!“ وہ پیچھے نکتی ہوئی بولی۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ
 موسيقی سے دلی لگاؤ رکھتے ہو۔“

غنوگی طاری تھی اور وہ شیم و آنکھوں سے ایٹچ کی طرف سکے جا رہا تھا۔
 صفوراً جو کچھ بھی گاری بھی وہ انگریزی ہی میں تھا۔ لیکن کہیں کہیں اس کی لے نخلستان،
 خیموں کی بستیوں اور کاروانوں کی جھلکیاں بھی دکھادی تی تھی۔

کتنا سکون تھا..... کتنی طہرانیت تھی..... حمید کو ذرہ برابر بھی احساس نہ رہا کہ وہ کچھ دیر
 پہلے ادا سی اور اکتاہٹ کا شکار رہا تھا۔ وہ رقصوں کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تو بس
 نگرگی کی اس جنت میں کھویا ہوا تھا جہاں سرورد و کیف کی نہریں جاری تھیں۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی میز سے اٹھا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ آہستہ
 آہستہ چلتا ہوا ایٹچ کے قریب اس جگہ آپنچا جہاں آرکشا بیٹھا تھا۔

یہ جسم کی کشش نہیں تھی۔ ایک عجیب سے تاثر کے تحت حمید از خود رنگی کے عالم میں یہاں
 تک آپنچا تھا۔

مغینہ نے پہلے تو اس پر اچھتی سی نظر ڈالی..... پھر دوسرا بار دیر جک اسے دیکھتی رہی اور
 جب گیت ختم ہو گیا تو اس نے حمید کو بہت غور سے دیکھا اور مسکرا کر اپنے سر کو جبتش دیتی ہوئی
 پردے کے پیچے غائب ہو گئی۔

حمدید پر اپنی میز پر واپس آ گیا۔ رقص ابھی جو بی فرش ہی پر تھے کہ آرکشا نے رقص
 کے لئے کلی اور دھن شروع کر دی اور اب صرف رقص ہی جلدی ہے۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے
 ایک دیٹر سے معلوم کیا کہ وہ روزانہ صرف ایک ہی گیت گاتی ہے..... اور اس وقت اپنے
 کمرے میں واپس گئی ہو گئی۔ اسکے کردار ماحوں کی بھی نہیں رہتی۔ الگ تھلک زندگی گذرا تی ہے۔

حید نے طویل سانس لی اور پاپ سیں تمبا کو بھرتے ہوئے سوچتے لگا۔ ”خاصی تفریح
 رہے اگر اس سے دیتی ہو جائے اور میں اسے اپنے ساتھ ہائی سرکل لے جاؤں گا۔.....

”اُس نے دل ہی دل میں قبیله لکھا لکھا اور دعا کے باول چھٹے لگے
 کمرے کا نمبر پریئر سے معلوم کر چکا تھا۔ پاپ سکا کر تھوڑی دیر تک ہلکے ہلکے کش لگتا
 رہا پھر اپنے را کھداں میں جماڑ کر اٹھ گیا۔

”شامک.....!

حمدید اندر آ کری پر بیٹھ گیا اور وہ میز کے گوشے سے نکل گئی تھی۔ اس کے جسم پر زرد رنگ کا سلپنگ گاؤں کچھ عجیب سالگ رہا تھا۔ کالی رنگت کچھ اور زیادہ نکھر گئی تھی۔ حمید نے سوچا آنکھیں یقیناً خوبصورت ہیں۔

”تو بس تم مجھ سے ملتا چاہتے تھے۔“

”یہی بات معلوم ہوتی ہے.....!“ حمید نے اس طرح کہا جیسے اس کے بیان کی تصدیق کے لئے اپنے ذہن کو شمول رہا ہو۔

”اچھا تو ملو.....!“ وہ نہس پڑی۔ اس نہیں میں بھی بلا کی نظر گئی تھی۔ اگر حمید آنکھیں بند کر کے یہ آواز سنتا تو اور زیادہ محظوظ ہوتا۔

”میں یہی تو نہیں جانتا کہ لوگ کس طرح ملتے ہیں۔“

”تم کون ہو.....؟“

”میرا نام حمید ہے..... ساجد حمید.....!“

”کیا کرتے ہو۔“

”جب بھجو میں نہیں آتا کیا کروں تو رو نے لگتا ہوں۔“

”تم نشے میں تو نہیں ہو۔“

”میں شراب نہیں پیتا.....!“ حمید نے کسی قدر تشریوئی سے کہا۔

وہ تمہری درستک اسے بغور دیکھتی رہی پھر پوچھا۔ ”کیوں نہیں پیتے۔“

”اس لئے کہ مسلمان ہوں۔“

”تو نہ بھی آدمی ہو۔“

”یقیناً.....!“

”کتنی بیویاں ہیں۔“

”ایک بھی نہیں.....؟“

”تعجب ہے..... ہمارے یہاں تو یو یوں کی تعداد.....!“

”نہیں.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یو یو کے موضوع پر کچھ نہیں سننا چاہتا۔“

وہ پھر کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہنے کے بعد بولی۔ ”میں نے محصول کیا ہے کہ تم لوگ بھی سفید فام نسلوں کی طرح ہمیں اچھی نظرؤں سے نہیں دیکھتے۔“

”میں نہیں سمجھا.....!“

”تم پہلے آدمی ہو جو مجھ سے ملنے آئے ہو۔“

”یہ بات نہیں ہے..... تم غلط سمجھیں..... ہمارے یہاں کے لوگوں کو.....!“

”غیر..... ہٹاؤ..... میں تو یہاں بات کرنے کو بھی ترس گئی۔“

”کیا تم اکیلی عی آئی ہو۔“

”ہاں.....!“

”کوئی مشجر تو ہو گا ہی۔“

”نہیں کوئی بھی نہیں۔“

”اور آر کشرا.....!“

”وہ بھی میرا اپنا نہیں ہے۔“

”یہ تو بہت بُری بات ہے۔ آدمی کو تھائی کا احساس نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ بعض اوقات خود کشی تک کر لیتا ہے۔“

”میں ایسے کسی احساس سے آج تک دو چار نہیں ہوئی۔“

”ضرور ہوئی ہوگی..... لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسے سمجھ بھی سکو.....!“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو.....!“

”کچھ بھی نہیں۔ بس میں بھی احساس تھائی کا مارا ہوا ہوں۔“

”کیا کچھ بھی یو یو بچے نہیں ہیں۔“

”حمدید نے مایوسانہ انداز میں نہ کو جنبش دی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ اب حمید کی طرف نہیں دیکھے۔“

رعی تھی۔

پچھے دری بعد اس نے کہا۔ ”میں تمہارے شہر کو دیکھنا چاہتی ہوں لیکن کوئی ساتھی نہیں ملت۔“

”اگر میں اپنی خدمات پیش کروں تو.....!“

”بصد خوشی قبول کی جائیں گی.....!“ اس نے حمید کی طرف باتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
جو بڑی محبت سے باتھ میں لیا گیا تھا۔

”اچھی بات ہے..... میں کل سے تمہیں شہر دکھانے کی مہم شروع کروں گا۔“

”پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”میں نہیں سمجھتا۔“

”مطلوب یہ کہ تم جو اتنی مہربانی سے پیش آ رہے ہو اس کا بدل میں کس طرح دے سکوں گی۔“

”تاک دبا کر مرغ کی بوی بولو..... تین بار.....!“ حمید نے کسی قدر غصیلے انداز میں کہا۔
وہ مسکرا دی اور اسے عجیب سی نظر دوں سے دیکھتی رہی۔

حمد نے تھوڑی دری بعد کہا۔ ”کیا تم ہماری زبان..... اردو سمجھ سکتی ہو۔“

”نہیں..... اسی بات کا افسوس ہے۔ لیکن یہاں تو سمجھی انگریزی بول سکتے ہیں۔“

”ہاں..... آں.....! بعض اوقات تو اپنی زبان بھی انگریزی سی لمحے میں بولنے کی
کوشش کر دالتے ہیں۔“

”پھر تم مجھے اپنا گمراہی دکھاؤ گے..... کیوں؟ میں تم لوگوں کا گمراہوں ہم سمجھی دیکھنا
چاہتی ہوں۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ حمید نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کیوں نہ اس کو اسی وقت گمراہ کا
دیا جائے۔

”کیا میں تمہارا فون استعمال کر سکتا ہوں۔“

”یقیناً..... بُری خوشی سے۔“

حمد نے آپ پریٹ کو ہلکی سرکل کے نمبر بتائے اور دوسرے یعنی لمحے میں فجر سے رابطہ قائم

کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

”ہلو.....!“ دوسری طرف سے کھٹی کھٹی سی آواز آئی۔ ”آپ کہاں سے بول رہے ہیں
جناب عالی۔“

”کہیں سے بھی بول رہا ہوں۔ تمہیں اس سے کیا؟ میری بات کا جواب دو۔ کیا اب بھی
کرٹل وہاں موجود ہیں۔“

”ایسے ویسے موجود ہیں..... بقول شاعر..... میرا خیال ہے کہ آج یہ رات کو میرا یہاں
غرق ہو جائے گا۔“

”وہ کس طرح عزیز از جان۔“

”عمارت کے چپے چپے پر مشتبہ آدمی نظر آ رہے ہیں اور وہ حضرت ناچے جا رہے ہیں دنیا
و ما فیہا سے بے خبر..... لیکی آج تھا ہے۔ خان وجاہت کا دور دور تک پڑھنے نہیں۔“

”کیا وہ آج آیا ہی نہیں۔“

”جناب..... اسی وجہ سے تو تشویش ہے..... کئی خونخوار قسم کے اجنبی میں نے کرٹل کے
آس پاس دیکھے ہیں اور وہ حضرت ہیں کہ گرد پیش سے بے خبر..... گویا کیف و سرور کے
دھارے میں بھے جا رہے ہیں بقول شاعر.....!“

حمد کی آنکھوں سے گہری تشویش کے آثار نظر آئے اور اس نے جھکلے کے ساتھ ریسیور
کریڈل میں رکھ دیا۔

اس کی کہانی

فی الحال تو احکیم خاک عی میں مل گئی تھی اور اب پھر اس کی موڑ سائیکل سنان سڑک پر
فرانٹے بھر رہی تھی۔ وہ شہر واپس جا رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ہائی سرکل نارت کلب تک

سک د آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھے ہر دیوار و در سے سرناہ مار
غیر پچھنہ بولا۔ ایک طرف گردن ڈالے فرش کو گھوٹا رہا۔
”آخ رکھ معلوم بھی تو ہو.....!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
”صاحب..... یہ سب میری عقل کا فنور ہے..... کسی کو اڑام نہیں دیتا۔“ غیر نے
جلائے ہوئے لمحے میں جواب دیا۔

”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“ حمید نے بے حد زم لمحے میں کہا۔
”میری بیوی قہر خداوندی ہے۔ جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔“
”صرف تمہاری ہی نہیں۔ ہر آدمی بفتے میں کم از کم ایک بار ضرور یہ سوچتا ہے۔“
”میری بیوی مجھ عذاب الہی ہے..... آپ سے کیا پر دو۔“
”چلو خیر تسلیم..... لیکن بات کیا ہے۔“

”وہ کریل والی بات زبان سے نکل گئی تھی اور نکلتی کیوں نہ۔ آپ کے چلے جانے کے بعد
میرا گلا جود بایا تھا اس نے..... میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ خدارا ٹھکوک و شبہات والی باتیں دے
سکتیں کھڑی کی۔ برآمدے میں آیا۔ لیکن فوری طور پر ہال میں داخل ہونے کی بہت نہیں
پڑی۔ اس لئے سید ہانی غیر کے آفس کی طرف چلا گیا۔ وہ موجود تھا۔ لیکن چہرے پر اضطراب کی
لہریں تھیں۔ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔
”میں واقعی بالکل گدھا ہوں۔“ وہ حمید کو دیکھتے ہی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

فریدی کے بارے میں یہ بات آج ہی اس کے علم میں آئی تھی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ
چھپلی رات وہ رنگین حادثہ اچانک ہوا ہو۔ پتہ نہیں کہ سے چکر چل رہا ہو۔ شہر میں ہائی سرکل
ہی تو ایک تفریق گاہ نہیں۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ خان وجاہت نے ان دونوں کو پہلی بار اس
حالت میں دیکھا ہو۔

”آہ..... کریل مر حوم..... ہارڈ اسٹون آنجمانی.....!“ اس نے بڑا کراپنے ہوٹ بھیج
لئے۔ چنانیں جب پکھل کر لاوا بنتی ہیں تو پھر انہیں دنیا کی کوئی طاقت ان کے مقام تک واپس
نہیں لے جاسکتی۔ ساہماں سال کا تجربہ دشائد اپنے معیار کی چیز کا متلاشی تھا۔ اب دیکھتے کیا ہوتا ہے۔
فریدی صاحب..... اور دھینگا مشتی بسلسلہ رومان..... خداوند ابڑی شان والا ہے تو.....؟ عظموں کے
پیڑا اپنی جگہ سے اکھر کر دل میں چلنے کے لئے پستیوں کی طرف لڑکتے آ رہے ہیں۔

حمد کو ہوش نہیں کہ وہ نیا گرد سے ہائی سرکل تک تکنی دیر میں پہنچا تھا۔ کپاڈ میں موڑ
سائکل کھڑی کی۔ برآمدے میں آیا۔ لیکن فوری طور پر ہال میں داخل ہونے کی بہت نہیں
پڑی۔ اس لئے سید ہانی غیر کے آفس کی طرف چلا گیا۔ وہ موجود تھا۔ لیکن چہرے پر اضطراب کی
لہریں تھیں۔ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

”تم پہلے بھی مجھ سے اس کی تصدیق کر سکتے تھے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔
”نہیں..... مجھ جیسے احتق کو زندہ نہ رہنا چاہئے۔“

”بتابا کس طرح مرنا پسند کرو گے۔“
”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”سنجیدگی سے ماروں گا..... تم مطمئن رہو۔“

”میں اپنے سردیوار سے ٹکراؤں گا..... سمجھے۔“ وہ روہانی آواز میں چیخا۔
”بقول شاعر.....“

”مجی ہاں..... آپ خود سوچنے بھلان۔“
”کچھ اندازہ ہے کہ وہ لوگ کدر گئے ہوں گے۔“
”اندازہ..... مکال کرتے ہیں جتاب آپ بھی..... یہاں اس کرے میں پیٹھ کر مجھے کیا
اندازہ ہو سکتا ہے۔“

"اچھا..... اچھا..... میں سمجھا۔ غالباً محترمہ دھمکیاں بھی دے گئی ہوں گی۔ یعنی آن کی نوہ میں تم نہ رہو۔"

"خدا سمجھے۔" فیجر نے کہا اور اسامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دفتارون کی گھنٹی بجی اور فیجر نے اس طرح ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے فون عی کو اخفاکر پخت دے گا۔

کال ریسیور کرتے ہی منہ کچھ اور بگڑا گیا تھا۔ لیکن پھر حمید نے محسوس کیا جیسے بگڑے ہوئے خدو خال آہستہ آہستہ معمول پر آ رہے ہوں..... وہ صرف "ہوں! ہاں.....!" کرتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دزدیدہ نظروں سے حمید کی طرف بھی دیکھتا۔ بلا خراس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی اور حمید سے بولا۔

"واپس تشریف لارہی ہیں محترمہ۔ سنان سڑک پر تعاقب کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔ فرمایا ہے اگر کیپشن حمید کی کال آئے تو انہیں اطلاع دے دی جائے۔"

"کیسی اطلاع.....!"

"یہی کہ لڑکی اپنی گاڑی میں ہے۔ اس کے پیچے کریل صاحب اپنی گاڑی میں ہیں اور وہ وضاحت کرنے پر چکنے لگی۔ ان کی گاڑی کے پیچے ایک اشیش و میکن ہے جس میں وہ چھاؤ دی ہیں جو یہاں آن دونوں کے آس پاس مذلا تے رہے تھے۔"

"مہبت بہت شکریہ.....!" حمید دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔

"سننے تو... مطلب یہ کی.....!"

لیکن حمید اب کچھ بھی سننے کے موڑ میں نہیں تھا۔ اس کی موڑ سائیکل اب پھر نیا گردہ طرف جا رہی تھی۔

میاں عشق کرنا تھا تو اپنے ہی خادم قدیم سے بھی مشورہ لے لیا ہوتا۔ اس نے سوچا۔ اس کتنی مترجم آواز ہے۔ حمید نے سوچا۔ "ویسیجے بغیر چاہا جاسکتا ہے۔" یہ کچھ اس قسم کا عشق تو ہے نہیں کہ بے خطر کو پڑا آتش نمرود میں عشق! کبھی نہ کبھی اسکی چوری وہ ایک خالی میز کے قریب بینٹ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

مغوراً اپنے ڈائینک ہال نکل کچنے میں درینہیں لگائی۔ ساری نظریں اُسی کی طرف اٹھ کھانی ہی پڑتی ہے تو پھر کیوں نہ ہر وقت لور ہر زمانے میں عشق کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

ب بندے خاں ہیں جس رفتار سے چاہیں عشق کر سکتے ہیں۔ مخوک کھانے کا امکان نہیں۔ یقیناً چھاؤ دی خان وجہت عی کے غنڈے ہوں گے۔ اب چونکہ اڑاڑی ہیں اس میدان میں لہذا قیب رو سیاہ کا چہرہ محبوب کی جلوہ جہاں تاب میں گم ہو گیا ہو گا۔ آدمی اور طوفان کی طرح موڑ سائیکل راستے ملے کر رعنی تھی لیکن ابھی تک وہ تنون اڑیاں نظر نہیں آئی تھیں۔

پھر وہ نیا گردہ تک جا پہنچا۔ پارک ٹیڈی میں فریبی کی لٹکن کھڑی دیکھی۔ حمید نے طویل افس لی اور سوچا چلو یہاں تک تو خیریت سے پہنچ گئے۔ باسیں بازو کے نیچے بغلی ہولہر کو پھکی تا ہوا وہ ڈائینک ہال میں داخل ہوا۔

یہاں ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ یقیناً رکم کی یعنی ہال میں ہوں گے۔ اس نے سوچا کا ڈائرٹر کی طرف بڑھا۔ یہاں اس نے کلر سے کہا کہ وہ مغورا کے کمرے سے فون لٹک دے۔

مغورا جاگ رہی تھی۔ پہلے تو وہ بھجھی نہ سکی کہ کال کرنے والا کون ہے۔ لیکن پھر حمید "یہی کہ لڑکی اپنی گاڑی میں ہے۔" اس کے پیچے کریل صاحب اپنی گاڑی میں ہیں اور وہ وضاحت کرنے پر چکنے لگی۔

ان کی گاڑی کے پیچے ایک اشیش و میکن ہے جس میں وہ چھاؤ دی ہیں جو یہاں آن دونوں کے آس پاس مذلا تے رہے تھے۔

"ہاں! لیکن دیر تک نہ تھہر سکا۔ پہنچنے کیوں یہ رات مجھے زندگی سے بھر پور نظر آ رہی کیا تم نیچے نہ آؤ گی۔"

"آ جاؤں۔"

"یقیناً..... میں ڈائینک ہال میں تھا را منتظر ہوں۔ پھر بال روم چلیں گے۔"

"او..... کے.....؟" سلسلہ مقطوع ہو گیا۔

کتنی مترجم آواز ہے۔ حمید نے سوچا۔ "ویسیجے بغیر چاہا جاسکتا ہے۔"

یہ کچھ اس قسم کا عشق تو ہے نہیں کہ بے خطر کو پڑا آتش نمرود میں عشق! کبھی نہ کبھی اسکی چوری وہ ایک خالی میز کے قریب بینٹ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ مغورا اپنے ڈائینک ہال نکل کچنے میں درینہیں لگائی۔ ساری نظریں اُسی کی طرف اٹھ کھانی ہی پڑتی ہے تو پھر کیوں نہ ہر وقت لور ہر زمانے میں عشق کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

گئیں۔ سفید بلاوز اور نارنجی اسکرت نے بہت نمایاں ہو گئی تھی۔
حمدی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔
”تم شہر جا کر واپس بھی آگئے۔“
”تمہاری آواز راستے بھر کانوں میں گوشی وہی تھی۔“

”اوہ..... تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میری آواز کا جادو تم پر چل گیا ہے۔ اسکی آنکھ
چمکنے لگیں۔“
حمدی نے اپنے سر کو اشیاتی جبکش دی اوپنے ناپ میں تمبا کو بھرتا رہا۔ اس وقت اس کا ذمہ
فریدی میں الجھا ہوا تھا۔
”تم کیا سوچ رہے ہو..... اوہ..... تم تو پہری طرف دیکھ بھی نہیں رہے۔ پھر کہ
واپس آگئے..... اپنے ذہن میں میری آواز کی پلٹنگوں میں تمبا کو بھرتا رہے۔“
”اوہ..... تم غلط سمجھیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”آؤ..... بال روم میں چلیں۔
در اصل یہ سوچ رہا تھا کہ شہر کے کس گوشے سے بھل کر ہم شروعات کریں۔“

حمدی نے بال روم کے لئے دو ٹکڑے خریدے اور ایک بار پھر اسی سیل رنگ و آہنک
ڈوب گیا۔ صفورا اس کے بازوں میں تھی..... اور وہ نہ جانے کیوں زندگی میں پہلی بار خ
بے حد پر سکون محسوس کر رہا تھا۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی مگر وہ سب اتنے قریب قریب تھے کہ موئی
کی عدم موجودگی میں وہ ایک دوسرے کی سرگوشیاں بھی صاف سن سکتے۔

ذرا بھی دیر میں حمید یہ بھی بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ وہ تو بس اس سیاہ
لٹکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا جس نے اس کی ایک شرارت آمیز ایکسیم کو بھی خلوص
لیا تھا۔ نیسکی کے سیلاپ میں بہرہ جانا اور بات تھی۔ لیکن آج سے پہلے وہ کسی نیگرس کے ق
کے تصور کو بھی معنکھ کر خیز سمجھتا تھا۔ لیکن یہ کیا احساس تھا۔ لکھی طمانیت تھی اس قرب میں۔ وہ
سرگوشیاں سن رہا تھا۔ خود بھی بھرائی ہوئی آواز میں کبھی کبھی کچھ کہہ دیتا اور صفورا کے ہونشو
خوابناک سی مکراہٹ اگڑا یاں لینے لگتی۔ بھرے بھرے سے اجرے ہوئے ہوتے۔

جاندار لگ رہے تھے۔ نر نگت سے متعلق احساس تنفس باتی رہا تھا اور نہ اپنی پسند کے معیار سے
گرے ہوئے خدو خال ہی کسی ناخوشنگوار ذہنی کیفیت کا باعث بنے تھے۔ اسے تو بس ایسا محسوس
ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نورانی حلقت میں گھرا ہوا خلاء میں پرواز کر رہا ہو۔ صفورا پہلی ہم رقص تھی جس
نے اس کی روح کو بھی جھنگوڑا تھا۔

ایک سیاہ فام اور بد شکل لٹکی نے اس کی روح کو جھنگوڑا تھا۔
کیا وہ خود کم متھیر ہوا ہو گا۔ پتہ نہیں کہ تک انہیں احساسات کے تانے بانے میں الجھا
رہتا۔ اگر اچانک فریدی پر نظر نہ پڑ گئی ہوتی۔ وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر تھا اور اس کی ہم رقص
وہی عورت تھی جسے ہائی سرکل میں دیکھ کر وہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں رہا تھا۔

وہ سر اٹھائے ایک نک فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی اور فریدی کی پلٹنیں تو اس
طرح جھلکی ہوئی تھیں جیسے کسی تیز قدم کی شراب کے نشے نے انہیں بو جمل کر دیا ہو۔

”خدایا رحم.....!“ دفعتاً صفورا کی آواز سرگوشی کی حدود سے نکل اس کے کانوں سے
نکرانی اور وہ چونک پڑا۔

”کیوں؟ کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔“

حمدی نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ کچھ سر ایکھ سی نظر آنے لگی تھی اور پھر اس نے محسوس
کیا کہ وہ بھی بار بار فریدی اور اس کی ہم رقص کو دیکھے جا رہی ہے۔

”کیا وہ لٹکی تمہیں بھی اچھی لگ رہی ہے.....!“ حمید نے اس سے پوچھا اور وہ اس
طرح چونک پڑی جیسے ابھی تک سوتی رہی ہو۔

”چلو..... یہاں سے چلو اچھے دوست.....!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیوں.....؟ تمہیں اچانک یہ کیا ہو گیا۔“

”بس میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“

”لیکن میں تو یہاں نہ سمجھتا چاہتا ہوں۔“

حید نے عجیب قسم کا اضطراب محسوس کیا اور اس کی نظریں رقصوں کی بھیز میں فریدی کو
ٹلاش کرنے لگتیں۔

وہ ان لوگوں کو شکلوں سے نہیں پچان سکتا تھا جن کا ذکر ہالی سرکل کے فوجر سے سناتھا۔
پھر اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ یقیناً فریدی کے آس پاس ہی موجود ہوں گے۔ آخر وہ لڑکی ہے
کون؟ اور یہ صفوراً جو بھی حال ہی میں صحر سے آئی ہے اُسے پہچانتی ہے۔
ویژنے کافی لانے میں درینہیں لگائی تھی۔

کافی کے پہلے ہی گھنٹ نے صفوراً کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ حید نے اس میں
نمایاں تبدیلی محسوس کی۔

”بچھلے سال میں نے اُسے ٹکا گو میں دیکھا تھا۔ برلن میں نہیں کیفیت میں۔ وہ رات
میرے لئے موت اور زندگی کی سکھش والی رات تھی۔“ صفوراً نے رک رک کر کہا اور اپنی پیالی
میں دوسرا ہادر کافی اٹھانے لگی۔

حید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

”میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔“ صفوراً کچھ دیر بعد بولی۔

”یہ بہت اچھی بات ہے..... زیادہ ذہین عورتیں مخلص نہیں ہوتیں۔“

”اور بہت زیادہ ذہین مرد.....“ صفوراً نے پھر اسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اب مردوں کے پارے میں اپنی زبان سے کیا کہوں..... ہاں وہ بھی خاصے نہ رہتے ہیں۔ اچھا تو پھر کیا ہوا تھا۔ تم کسی بھی ایک رات کا تذکرہ کرو ہی تھیں۔“

”ہاں تو میں بریس میں کیفیت میں تھی۔ وہ لوگ اپنے گاہوں کو صرف میرے گیت سنوانا
چاہتے تھے۔ شکل نہیں دکھانا چاہتے تھے کیونکہ ان دونوں ہاں نسلی کشیدگی بھیلی ہوئی تھی۔ میں
ایک جگہ مائیک پر پوشیدگی میں گاری تھی کہ کسی طرح ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پڑھ جل گیا
کہ میں ایک نیگر میں ہوں۔ بس انہوں نے وہاں توڑ پھوڑ چاہو۔ ہوٹل کے مالکوں سے مطالبا
کیا تھا کہ ان کے حوالے کر دیا جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ

”تم نہ ہو..... لیکن مجھے جانے دو۔“ وہ لجاجت سے بولی۔ ”تم جس وقت بھی چاہو
میرے کمرے میں آسکتے ہو۔“

”میں اکیلا رہ جاؤں گا۔“

”میں اپنے پھردوں میں کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔ زیادہ دیر تک کمزوری نہیں رہ سکتی۔“

”چلو تو..... اُمّہ کنارے کہیں بیٹھ جائیں۔“

”ہاں..... یہ ممکن ہے۔“

وہ موسیقی کا ساتھ دیتے ہوئے ہی اس بھیز سے نکل کر باہمیں بازو دہلی میزوں سک پہنچ گئے۔

”پڑھنے والیں ہم کس کی میز پر بیٹھ رہے ہیں۔“ صفوراً بولی۔

”فکر نہ کرو۔..... ان کے آتے ہی ہم شرافت سے اٹھ جائیں گے۔“ حید نے کہا اور
اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ صفوراً کے چہرے پر اب بھی سر اسیگی کے آغاز تھے اور وہ باہر خوفزدہ
نظردوں سے رقصوں کی بھیز کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

”کیا بات ہے..... تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو۔“

”لک..... چکنے والی..... مم..... میں چکھ پینا چاہتی ہوں۔“

”شیری منگواؤ۔“

”میں بھی تمہاری ہی طرح مسلمان ہوں..... قلعی نہیں ہیں..... کافی منگواؤ۔“

حید نے ایک ویٹ کو اشارے سے بلا کر آ رکھ دیا۔ چھٹے لمحے پھر اسے خاموشی سے دیکھتے
رہنے کے بعد بولا۔ ”کیا وہ لڑکی پریشانی کا باعث ہی ہے۔“

اور اس نے ایک بار پھر اسے چوٹکتے دیکھا۔

”وہ..... وہ..... رلانے والی ہے..... میں نے اُسے پچان لیا..... رلانے والی..... خدا

کی قسم وہی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔ رلانے والی سے کیا مراد ہے تمہاری۔“

”پہلے مجھے کافی پی لینے دو..... میرا حل خشک ہو رہا ہے۔“

مجھے قتل کر دیں گے۔ مالکوں نے جو تھے تو سفید فام ہی لیکن سویڈن کے باشندے تھے ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ میں اس کرے میں تھا تھی جہاں سے میں نے گیت گائے تھے۔ اپنی دانست میں تو میں نے دروازہ بند کر لیا تھا لیکن نہ جانے کیسے ایک آدمی کرے میں کھس آیا۔ میں بُری طرح سمجھی ہوئی تھی۔ وہ مجھے دلسرد ہے لگا۔ کہنے لگا کہ وہ مجھے بڑی صفائی سے نکال لے جائے گا۔ تم کافی نہیں بیٹوں کے کیا.....؟“

”نہیں..... میں خواہش نہیں محسوس کر رہا۔“ حمید نے کہا۔ ”اپنی کہانی جاری رکھو۔“

”کہانی..... ہاں..... چلو اور چلو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ دھشت ہو رہی ہے اس ماحول میں..... اپنے کرے میں سازہں گی کہانی۔“

”کسی وجہ سے میں ابھی نہیں اٹھنا چاہتا۔“ حمید نے پھر رقصوں کی بھیڑ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”یقین کرو۔ بُری طرح نیند آ رہی ہے۔ یہ دیکھویری پلکش۔ بوجمل ہوئی جا رہی ہیں۔“
”خدا! حمید نے ان کی آواز میں اجنبیتی محسوس کی اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔
”کیا ہوا ہے نہیں۔“

”یقین کرو۔ میں بہنیں سو جاؤں گی۔“
”اچھا تو مجرم تم جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد...!“

”شکریے۔ تم بہت اچھے ہو۔ میکل میں تمہارا انتظار کروں گی۔“
”وہ اٹھ گئی۔ حمید اسے جاتے دیکھ رہا۔ چال میں تو کھڑا ہٹ تھی۔
ادھوری کہانی سن کر وہ اسے الجھن میں ڈال گئی تھی۔

”رلانے والی ہونہے۔!“ وہ منٹیز ہا کر کے بڑی بیا اور منظر بانہ انداز میں رقصوں کی بھیڑ کا جائزہ نینے لگا۔ بُراست روغنا آرکسٹرا سے منتشر ہو رہا تھا لور رقص کرنے والے ایسے لگ رہے تھے جیسے وہ نیند میں جھکو لے لے رہے ہوں۔

فریدی پھر نظر آیا۔ اور حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ابے دیکھا رہا۔ یقین ہی

نہیں آتا تھا کہ وہ فریدی ہے۔ سر جھکائے اپنی ہر قصی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ آہستہ پچھ کہتا جا رہا تھا اور ہم رقص کے ہونتوں پر نیکل دی سکرا ہٹ تھی۔ بھی بھی وہ بھی پچھ کہتی اور آنکھیں بند کر لیتی اور پھر وہی خوابناکی مسکرا ہٹ۔

”لغت ہے..... لغت ہے۔“ حمید زور زور سے اپنی کھوپڑی سہلانے اور سوچنے لگا۔ آہا..... بجے چارہ کرنل فریدی..... بہہ گیا نا آخراں عمومی سیلا ب میں..... ہات تیری کی..... ساری سنگلا خیت دھری رہ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ ہاتھ منہ پر رکھ کر ”نیپ پُر“ کی آوازیں نکالے۔ لیکن اس کی بجائے وہ پاسپ میں تمہارے بھر نے لگا۔ غالباً رقص ختم ہونے والا تھا۔ پتہ نہیں کس کی میز پر اس نے قبضہ کر رکھا تھا۔ لہذا مناسب بھی تھا کہ دیٹر کو کافی کئے دام ادا کر کے وہاں سے اٹھ جاتا۔

بہر حال رقص ختم ہوا تو وہ ریکارڈنگ ہال کے صدر دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

اس نے فریدی اور اس کی ہم رقص کو میزوں کی طرف واپس آتے دیکھا۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے برسوں پرانے ساتھی ہوں۔ حمید کے سینے سے ایک کھٹی کھٹی سی آہ نکل گئی۔ پتہ نہیں کیوں وہ اتنا بے جھن جھن تھا۔

حمد کے قریب ہی ایک آدمی اور بھی کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ حمید کو ذرا دیر میں اس کا احساس ہوا۔ وہ بڑی تیزی سے رقصوں کی بھیڑ کی طرف بڑھا تھا۔ پھر حمید نے اسے ٹھیک انہیں دونوں کے قریب رکتے دیکھا۔

ایک جھلکے کے ساتھ اس نے لوکی کا ہاتھ فریدی کے بازو سے نکلا تھا اور اب اسے اس طرح صدر دروازے کی طرف لارہا تھا جیسے جبرا وہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہو۔

دوبارہ فریدی پر نظر گئی۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ ابھی اس لوکی کو کھینچتا ہوا حمید کے قریب ہی سے گزر گیا۔ حمید نے اسے انکھیوں سے دیکھتے وقت اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تھا۔

پھر اس نے فریدی کو ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا اور خود بھی اسی جانب تیزی سے

قدم بڑھائے۔ فریدی بیٹھے چکا تھا۔ اُس نے حمید پر اچھتی سی نظر ڈالی اور مشروبات کی فہرست طرف متوجہ ہو گیا۔

”عجیب اتفاق ہے۔“ حمید نے بھی کری سخنچ کر بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی۔ ”یہ

بھی آپ سے ملاقات ہو گئی۔ کہہ تو یہاں بھی میری موجودگی غیر ضروری ہو جائے۔“

پھر اُس نے فریدی پر اپنے اس جملے کا رد عمل معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں تھا۔ اُس کے چہرے سے تو ایسا لگتا تھا جیسے اُس نے ابھی رکھ لیکھن ہال میں قدم رکھا ہوا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ بھی وہی پہلے وہ ایک بڑی خوبصورت لڑکی کا ہر قص رہا ہوا گا۔ پھر اُس کے بعد ہی اُس کے لئے کسی قسم کی شرمندگی کا بھی سامنا کرنا پڑا ہو گا۔

ہمیشہ کی طرح سوچ میں ڈولی ہوئی آنکھیں..... وہی پر سکون چہرہ..... اور وہی دکھ ہوئی پر عظمت کشاور میٹھانی۔

اب وہاں طرح حمید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے حمید کی بات اُس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

”میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مجھے ڈھنائی کی ترمیت کب سے دئے رہے ہیں۔“ حمید جل کر بول پڑا۔

”میں اب بھی نہیں سمجھتا.....“ فریدی کی آواز بھی مسحول کے مطابق تھی۔ حمید نے اس میں موڈ کی خرابی کا شاید بھی نہ پایا۔

بلا خود خود کھیا کر رہا گیا اور جلائے ہوئے لمحے میں بولا۔ ”سخنچ کر لے گیا آپ کھڑے مند رکھتے رہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی کے ہوتھوں پر خیف سی سکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے کہا۔ ”دو حق بجاانت تھا کیونکہ حقیقتاً وہ اُسی کی محبوبہ ہے۔“

”ارے تو یہ کوئی بات ہی نہ ہوئی۔“ حمید کی جھنجڑاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

”کیا بات ہوئی..... ارے بھی اس کی محبوبہ میری ہم رقص تھی..... اسے یہ بات پندھ آئی سخنچ کر لے گیا۔“

”تو کیا حکیم نے نجی میں لکھ دیا ہے کہ کسی دوسرے ہی کی محبوبہ آپ کی ہم رقص بنے۔“

”میری اپنی تو کوئی ہے نہیں۔“ فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ ”اور تمہاری ہم رقص اس قابل نہیں تھی۔“

حمد نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہا گیا۔ کچھ بولنا نہیں۔

فریدی نے ویژہ کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور اُس کے پلے جانے پر حمید سے یو لا ہے۔ ”یہ نیگریں کہاں سے ہاتھ لگی ہے۔“

”صرف آپ ہی تقدیر کے اکلوتے نہیں ہیں۔“

”کافی میں شکر زیادہ لینا۔“ فریدی نے پر تشویش لمحے میں کہا۔ ”منہ کا مزہ خراب معلوم ہوتا ہے۔“

”منہ لکھنے کی بات ہے..... یہاں تو شکر بھی منہ نہیں لگتی۔“

”یہاں ”یہ بہت چیا جا کر بول رہے ہو۔“

”منہ لکائی ڈومنی کا نہ تال بھے تال.....!“

”تو کیا اب محاورات اور ضرب المثل ہی میں گفتگو ہو گی۔“

”آپ جیسے یہیم آدمی سے معنوی الفاظ میں کیا گفتگو کی جائے۔“

فریدی اُس کے اس کثیلے طفر کو بھی نظر انداز کر گیا۔

ویژہ کافی لانے کے معاملے میں بے حد پھر تیلا ثابت ہوا تھا۔ لہذا بات آگئے نہ ہو گئی۔

”نہوں خاصوٹی سے کافی پیٹتے رہے۔“ حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ فریدی سے اس لوکی کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھے گا۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دری بعد پہیٹ میں چوہے کو دنے لگے۔ کیونکہ اسے صورا کا حجڑا انگیز رو یہ یاد آ گیا تھا۔

”آپ ابھی اس نیگریں کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”غائب..... پوچھا تھا میں نے۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

”لیکن میں اس کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے آپ سے یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ

دوسرا ملاقات

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ لیکن کنجی قفل ہی میں موجود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ نیند کے دباؤ کی بناء پر اسے قفل کے سوراخ سے نکالتا ہی بھول گئی ہو۔ فریدی نے ایک بھی ضائع کئے بغیر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ لیکن..... کمرہ خالی تھا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ بیڈروم کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا اور یہاں بھی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔

”کیا غسل خانے میں جامسوئی ہے۔“ حمید بڑھ دیا۔ اتنی دیر میں فریدی غسل خانہ بھی کھول چکا تھا۔ لیکن وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

اب وہ کمرے کی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا۔

”ممکن ہے کچھ دیر کے لئے باہر گئی ہو۔“ حمید نے کہا۔

”کنجی قفل ہی میں نہ چھوڑ جاتی۔“ فریدی میز پر جھکا ہوا بولا۔ حمید اکٹائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

”ہوں..... خواہ خواہ کام بڑھا گئی ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد فریدی کو کہتے سن۔ پھر اس نے قریب آ کر کاغذ کا ایک ٹکڑا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ اگر زی میں کھینچی ہوئی تحریر تھی۔

”ڈیزِ ساجد حمید“

میں بہت جلدی میں یہاں سے رخصت ہو رہی ہوں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں تمہارے شہر سے واقف نہیں ہوں۔ تم سے رخصت ہو کر میں اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باہر گئی تھی۔ وہاں ایک ٹیکسی

آپ کو ان چھ آدمیوں کا علم ہے یا نہیں جو ہائی سرکل ہے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔“

”مجھے علم ہے۔“ خلک لجھے میں جواب ملا۔

”کیا وہ اب بھی یہاں موجود ہیں۔“

”تم جانو.....!“

”میں نے ان کی شکلیں نہیں دیکھیں..... مجھے اطلاع ملی تھی کہ چھ آدمی آپ دونوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔“

حید نے اس بار بھی فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار نہ دیکھے اور نہ اس نے یہی معلوم کرنا چاہا کہ حمید کو تعاقب کی اطلاع کس ذریعہ سے ملی تھی۔

لیکن جب حمید نے کالی لڑکی کی کہانی چھیڑی اور داستان کے اس حصے پر پہنچا جہاں وہ ”رلانے والی“ کا تذکرہ کر کے بدھوای کا شکار ہو گئی تو اس نے فریدی کے چہرے پر کسی قدر بے چینی کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہانی کا انجام کم سے کم الفاظ میں سننا چاہتا ہو۔ لیکن کہانی تو پہلے ہی ادھوری رہ گئی تھی۔

”اٹھو.....!“ وہ حمید کے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہوا بولا۔ ”مجھے اس کے کمرے تک لے چلو۔“

”خدا سمجھے آپ سے..... اب کیا آپ مجھے کامیوں سے بھی محروم کر دینا چاہتے ہیں۔“

”حمدکہ اس نہیں..... جلدی کرو۔“

وہ ریکریشن ہال سے نکل کر لفت کی طرف بڑھے تھے۔ حمید اس کی جلد بازی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے سوچا ممکن ہے سب فریب نظر ہو۔

زور کی چلکی بھی لی تھی اس نے اپنے بازوں میں ”سی“ کر کے رہ گیا تھا۔ مطلب یہ کہ جاگ ہی رہا تھا۔

وہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔

خالی مل گئی۔ میں نے اس کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔ PHC 12342
یہاں واپس آ کر تھیں لکھ رہی ہوں۔ بات کچھ اسکی عی ہے کہ میں اس
کے بعد یہاں نہیں آئی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ مجھے کہاں لے جائے
گا۔ چونکہ یہاں سے شہر تک ایک طویل سفر راستہ ہے۔ اس لئے
میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں یہاں آجی ہوں۔ شہر پہنچ کر ہی اسے
بیٹھوں گی کہ مجھے کسی اچھے ہوں میں قیام کرنا ہے اور وہ اس سلسلے میں
میری دو کرے۔ کیا پہنچ ہے کہ تم جیسی ڈرائیور کو تلاش کر کے میری
رہائش کے ہارے میں معلوم کر سکو۔ جو وقت تمہارے ساتھ گزرا
بہتر نہ تھا۔

”کافی ذہن مسلم ہوتا ہے۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑھ دیا۔
”ہو گی..... خواہ خواہ اسے یہ غسلی نہیں کیوں ہوئی کہ میں جیسی ڈرائیور کو تلاش کرنا پھر وہ
گا۔ لیکن آخر یہاں سے کہوں گئی۔ یہاں کنٹریکٹ پر آئی تھی۔ مجاہدے کا کیا ہو گا۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں کہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”دیکھنا ہے کہ تمہاری پڑھاتی پیرے لئے کس حد تک کار آئے
ثابت ہوتی ہے۔“

”جید چونکہ کرائے دیکھنے لگ۔ لیکن فریدی اس کی طرف نہیں ہے کچھ رہا تھا۔
”میری حادثت۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔!“

”اس سے پہلے کبھی میں نے تمہارے ساتھ کوئی بد صورت لڑکی نہیں دیکھی۔ یقیناً۔۔۔
میرا محکمہ اڑانا چاہتے تھے۔“

جید کچھ نہ بولا۔ منتظر تھا کہ فریدی کچھ اور کہے گا۔ لیکن وہ پھر میز کی طرف متوجہ ہو
تا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بیجی۔ جید فون کی طرف بڑھا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا
”نہیں۔۔۔“

فون کی گھنٹی بیجتی رہی اور وہ اس کو اسی حال میں چھوڑ کر کمرے سے باہر آگئے۔ راہداری
بھسان نہیں تھی۔ مختلف جگہوں پر کچھ لوگ کھڑے نظر آئے۔ ان میں سے کوئی سگر ہٹ سکارہا
تھا کوئی جھکا ہوا جوئے کے اندر پیدا کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی دیوار سے الی ہوئی کسی
پینٹنگ کا جائزہ لیتا ہوا نظر آیا اور حمید نے فریدی کے ہونتوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔
”کیا یہی لوگ ہیں۔“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

”ہوں.....!“ فریدی نے سر کو خفیضی جنپ دی اور لفت کی طرف جانے کے بجائے
زینوں کی جانب چل پڑا۔

زینے بہت اطمینان سے طے کئے گئے۔ لیکن ان کے پیچھے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن
جیسے یہ ڈائیکٹ ہال میں پہنچے حمید نے ان لوگوں کو پہچان لیا جو کہ کچھ دیر پہلے اوپر ملے تھے۔
 غالباً وہ لفت کے ذریعہ سے پہنچ چکے تھے۔

”اب میں فکر کے مارے پھٹ جاؤں گا۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔

”تم غالباً آج موڑ سائیکل لے کر لٹکے تھے۔“ فریدی بولا۔

”شامت تھی کہ لٹکا ہی تھا۔“

”اُسے سہیں چھوڑو..... میرے ساتھ چلو۔“

”کہیں میں آپ کے مشاغل میں مخل نہ ہوں۔“ حمید نے خشک لبھ میں کہا۔

”دامغ خراب ہو گیا ہے۔“

”نہیں..... آج شام سے بے حد رومنگ ہو رہا ہے۔“

”ابھی کیڑے بھاڑ دوں گا۔“

وہ عمارت سے نکل کر پارکنگ شیڈ تک آئے۔ فریدی نے حمید کیلئے لنگن کا دروازہ کھولا۔

”تشریف رکھئے۔“

”آپ نے مجھے پہچان لیا ہے نا..... میں حمید ہوں..... ساجد حمید۔“

”جل بیٹھ.....!“ فریدی نے اسے دروازے میں دھکا دیا۔

”کیا بات ہوئی.....؟“
 ”عقل کی باتوں ہی نے مجھے سر کے مل کھڑا کر رکھا ہے۔ بدھو ہوتا تو شادی کرتا اور بچے جتنا.....اوہ.....کیا بک رہا ہوں۔“
 ”تیند آرہی ہے نخے بچے کو۔“
 ”آپ مجھے اتنا حمق کیوں سمجھتے۔“
 ”حمق تو ہو.....لیکن اندازے کی غلطی مجھ سے بھی ہو سکتی ہے۔“
 ”میں جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔“
 ”بس اب گھر ہی چلیں گے۔“
 حمید پھر اونگھنے لگا۔

دوبارہ اسی وقت چونکا تھا جب گاڑی رکی تھی۔ آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ گاڑی اپنی ہی کپاؤ ٹڈ میں رکی تھی۔

”اتریے.....نواب صاحب۔“ فریدی کی آواز کان کے قریب ہی سنائی دی۔
 ”شکریے.....!“ وہ دروازہ کھول کر اتر اور فریدی کا انتظار کئے بغیر پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ پتہ نہیں کیوں گاڑی پورچ تک نہیں لائی گئی تھی۔

اپنے سونے کے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بولٹ کیا اور کپڑوں جو توں سمیت سہری پر ڈھیر ہو گیا اور پھر ذرا ہی سی دری بعد وہ خرائٹے لے رہا تھا۔
 پتہ نہیں کیسے کیسے اوت پٹا گک خواب دیکھتا رہا۔ ایک ایسی لڑکی دیکھی جس کا چہرہ آدھا سیاہ تھا اور آدھا سفید۔ چہرہ اس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ چہرے کے دونوں روپ جانے پیچانے سے تھے۔ پھر ہونتوں میں دفتار سوئی سی چھجھ کر رہا گئی۔ اس نے چیختا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ البتہ اس چہرے سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے گھنٹی نجح رہی ہو۔ تیز قسم کی گھنٹی کان کے پردے پھٹتے سے محسوس ہونے لگے اور آنکھ کھل گئی۔ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ لیکن گھنٹی تواب بھی پیچے جا رہی تھی۔

گاڑی کپاؤ ٹڈ سے نکل کر سڑک پر آگئی تھی۔
 کچھ دوڑ پڑنے کے بعد حمید نے مڑ کر دیکھا۔ کسی دوسری گاڑی کے ہیئت لیپ پر چمکتے ہوئے نظر آئے۔
 ” غالباً ہی ہیں۔“ حمید بڑا یا۔
 ” جہنم میں جائیں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔
 ” کیا مطلب.....؟“
 ” مطلب یہ کہ وہ میرے لئے قطعی بے ضرر ہیں۔ اسلئے ہمیں ان کی قطعی فکر نہ کرنی چاہئے۔“
 ” اپنے آدمی.....!“
 ” نہیں.....!“
 ” تو پھر.....؟“
 ” کان نہ کھاؤ.....!“
 ” اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟“
 ” گھر.....!“ فریدی نے کہا اور حمید نے سوچا کہ اس وقت اسے واضح قسم کی گفتگو پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔
 پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔
 شہر پہنچ کر حمید نے محسوس کیا فریدی یونہی خواہ مخواہ راستے کو طول دے رہا ہے۔ کبھی ایک گلی سے گذر کر دوسری سڑک پر آنکھا اور کبھی دوسری سے تیسری پر.....!
 ” کیا چکر ہے.....؟“ وہ خواب آلو داؤ اواز میں بڑا یا۔
 ” انہیں باور تو کراؤں کہ میں اس تعاقب سے بے خبر نہیں ہوں۔“
 ” مجھے بھی کچھ باور کراؤ تجھے۔“
 ” تم کیا باور کرانا چاہتے ہو۔“
 ” سہی کہ میں وہیل مچھلی کا انڈا انہیں ہوں۔“

”او..... حرام خور.....!“ وہ مکاہن کرفون کی طرف چھپا۔
”ہا لو.....!“ ماؤ تھو جیس میں دہاڑا تھا۔

”صح کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اچھا تو پھر.....!“ وہ پہلے ہی کے سے انداز میں دہاڑا۔

”کرے سے باہر آؤ۔“ تھکمانہ لجھے میں کہا گیا۔

حید نے رسیور کریڈل پر بیخ دیا اور اب اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔
گھنٹی کی تیز آواز سے جانے پر قابو پانے میں کچھ دریگی اور اس نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم جیس پر نظر ڈالی۔ واقعی ساڑھے آٹھ بجے ہے تھے لیکن سویا بھی تو تھا تین بجے۔

طوعاً و کراہا کمرے سے نکلا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ناشتے کی میز ہی پر ہوگا۔ اسے اخبار بنی میں مصروف دیکھ کر کنکارا اور اس کے متوجہ ہونے پر بولا۔ ”باتھ روم سک جانے کی اجازت ہے یا پھر سین.....!“

فریدی نے پیشانی پر بیل ڈالے اور پھر اخبار پر نظریں جمادیں۔

پھر پندرہ یا بیس منٹ بعد حید دوبارہ ڈائینگ روم میں داخل ہوا۔ لیکن فریدی اب وہاں نہیں تھا۔ البتہ وہ اس کے لئے کچھ چھوڑ گیا تھا۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا..... جس کا کچھ حصہ کافی پات کے نیچے دبا ہوا تھا۔
تحریر تھی۔

”فرزند ارجمند..... اگر تم ہوئی سے پول کے کرہ نمبر ایک سوتراہی تک پہنچ سکو تو گل مراد کو ٹکفت پاؤ گے۔ ابھی اور اسی وقت روائیہ ہو جاؤ۔“

”ہوں.....!“ وہ تختے پھلا کر بولا۔ ”تو پتہ لگایا کہ اس نے کس ہوئی میں قیام کیا ہے؟“
پھر ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے پاپ سلاکتے ہوئے سوچا۔ آخر پچھلی رات وہ ذہنی طور پر اتنا بے مایہ ہو کر کیوں رہ گیا تھا۔ فریدی کو ایک بوکی کے ساتھ رقص کرتے دیکھ کر یہ کیوں سمجھ بیٹھا تھا کہ وہ اپنی ڈگر سے ہٹ گیا ہے۔ کون جانے کوئی بڑا کھیل ہو۔ اس سے پہلے بھی تو

کئی پاروہ اُسے اعلیٰ درجہ کی رومانی اداکاری کرتے دیکھ چکا تھا..... اگر وہ اتنا ہی کامیاب اداکار ہے تو..... نہیں وہ اداکاری نہیں تھی۔ حید کسی طرح بھی اس سلسلے میں اپنے ذہن کو مطمئن نہ کر سکا۔ تھی تو کوئی چیز اسکی جس کی بناء پر وہ اُسے خالص اداکاری حلیم کر لینے سے پہنچا رہا تھا۔
”ابے تو تجھے کیا.....؟“ بالآخر اس نے جلا کر اپنے سر پر دھڑکو رسید کیا اور خواب گاہ میں آ کر لباس تبدیل کرنے لگا۔

دوڑھے سے پول ہوٹل میں تھبیری ہوئی تھی۔ شاند فریدی نے پچھلی رات ہی سے اُس کی تلاش شروع کر دی ہو گی۔ لیکن کامن بر معلوم ہو جانے کے بعد یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر حید سے پول جا پہنچا۔ یقیناً صفوراً کا وجود فریدی کے لئے اہمیت اختیار کر چکا تھا ورنہ وہ اس کی طرف دھیان ہی کیوں دیتا اور اس اہمیت کی وجہ یہی ہو سکتی تھی میں مصروف دیکھ کر کنکارا اور اس کے متوجہ ہونے پر بولا۔ ”باتھ روم سک جانے کی اجازت کرو، اس کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی تھی..... تو پھر وہ ہم رقص..... جہنم میں جائے۔“ حید نے گردن اکڑا کر سر کو جھٹکا دیا۔ کرہ نمبر ایک سوتراہی اندر سے مغلیق تھا۔ اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کون ہے؟“ آواز صفورا ہی کی تھی۔

”رات کا ساتھی۔“ حید دروازہ سے من لگا کر بولا۔

”حید..... ساجد حید.....!“ مزید وضاحت طلب کی گئی۔

”ہاں..... وہی..... دروازہ کھلو.....!“

دروازہ کھلا۔ وہ سامنے ہی کھڑی نظر آئی۔ آنکھوں میں عجیب ہی چک تھی اور چہرے کی رنگت میں پہلے سے بھی زیادہ گاڑھاپن آگیا تھا۔ غالباً یہ فور مسرت کا اظہار تھا۔

”خدا کی قسم.....!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تم ایک مخلص دوست ہو۔ آخر کار مجھے ڈھونڈھ عی نکالا۔ ورنہ کون اسکی زحمتیں مول لیتا ہے۔“

”اچھا..... پیچھے تو ہٹو۔ مجھے اندر آنے دو۔“

”آؤ..... آؤ۔“ اس نے حید کا ہاتھ پکڑ کر اندر سمجھ لیا۔

دروازہ بند کر کے وہ حمید کی طرف مڑی۔

”تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں کوئی نہیں..... لیکسی ڈرائیور نے مجھے بہتری زحمتوں سے بچالیا تھا۔ واقعی تم بہت اچھے ہو۔ حالانکہ وہ میری زبان نہیں سمجھ سکتا تھا پھر بھی اتنا ذہین تو تھا ہی کہ مجھے یہاں لے آیا۔“

”آخر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم کہتیں تو میں ہی تمہیں کسی اسی جگ دیتا، جو ہماری دانست میں محفوظ ہوتی۔“

”اوہ تو تم سمجھ گئے ہو کہ میں نے کسی خوف کے تحت ایسا کیا تھا۔“

”تمہارا خط ملنے کے بعد اس کے علاوہ کیا سوچتا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ بھی نیا گراہی میں مقیم ہے۔“

”پتہ نہیں۔“ حمید نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنبش دی۔

”تو بیٹھو نا..... کھڑے کیوں ہو۔ یہاں کافی بہت اچھی ملتی ہے۔ شام کے خود ہی کرتے ہیں۔“

”ہوں..... اوں.....!“ حمید اس طرح کری میں ڈھیر ہو گیا جیسے بہت تحک گیا ہو۔

وہ اسے چند لمحے پر تشویش نظرؤں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”کیوں طبیعت کیسی

تمہاری۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔“

حقیقتاً حمید نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کیونکہ وہ اسے دیکھنے بغیر اسکی آواز سننا چاہتا تھا

”ہاں..... آں..... درد ہے سر میں..... اتنے بڑے شہر میں کسی لیکسی ڈرائیور کو ڈھونڈنے کا لالنا کوئی آسان کام تو نہیں۔“

”اوہ..... تم نے میرے لئے بڑی تکلیف اٹھائی۔ اپرین لیما پسند کرو گے۔“

”شکر یہ..... تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ حمید نے بدستور آنکھیں بند کھیں۔ آواز عنی تو سننا چاہتا تھا۔

خکل دیکھ کر کیا کرتا۔ اس لڑکی سے مل بیٹھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ فریدی کو چڑھایا جائے۔ اس کے رومان کا مختکلہ اڑایا جائے۔ حالانکہ پہلے ہی اسے فریدی کے بارے میں سنجیدگی سے کوئی فیصلہ نہ کر لیا چاہئے تھا۔ آخر اب اچاک ذہن کو جھٹکا لگا ہی۔

اُسے اس اتفاق پر نہیں بھی آرہی تھی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ جس لڑکی سے وہ خود بکرایا تھا فریدی کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی ہی ہوتی۔

اور اب یہ نامعقول نیکریں جو محض تفریغ کی خاطر دریافت کی گئی تھی اور حمیڈ کے کسی اکتادینے والے مسئلے کی طرح حل میں افک کر رہا جائے گی۔ واہ روی قسمت..... اسے ایک بار پھر اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ گویا اُس وقت بچوں کا ساڑہ ہن ہو گیا تھا۔ جب اُس نے فریدی کی بے راہ روی کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ ایسا تو نہیں تھا کہ خواہ تجوہ ایک عیاش آدمی کی حیثیت سے اپنی تشریف کرتا پھرتا۔

”کیوں..... کیسی طبیعت ہے۔“ دھننا صفورابولی اور حمید اچھل پڑا۔

”کیا تم بھی ڈر گئے ہو.....!“ وہ نہ س کر بولی۔

”م..... میں نہیں تو..... بھلامیں کیوں ڈر دیں گا۔“

”میں تو اب یہ سوچ رہی ہوں کہ چپ چاپ اس شہر سے رخصت ہو جاؤں۔“

”آخر کیوں؟ وہ کون تھی؟ تم اس سے کیوں خائف ہو۔“

”میں کچھلی رات تمہیں اس کے بارے میں بتا رہی تھی کہ یہاں بیک بیک میرے ذہن پر خوف مسلط ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔ جتنی جلد ممکن ہو۔“

”تو کیا وہ بھی تمہیں جانتی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اچھی طرح..... اس نے مجھے ایسی اذیتیں دی ہیں کہ میں ساری زندگی انہیں یاد کر کے لرزتی رہوں گی۔ ٹھکا گوئیں کون ہے جو ”رلانے والی“ کو نہ جانتا ہو۔ اُس زمانے میں اس کا

گروہ کی ریاستوں پر چھایا ہوا تھا۔“

”گروہ.....؟“

چوتھے دن پھر اس نے میرے ساتھ وہی برتاؤ کیا۔ بس اب کیا ہتاوں۔ مجھے تو اپنی زندگی کی
امید نہیں رہی تھی۔ جب وہ مجھے چاک سے پیشی تھی تو اُسکی آنکھوں میں کچھ ایسی ہی طہانیت
نظر آتی تھی جیسے جھلادینے والی گرمی میں اُس نے کسی شنڈے مشروب کا پہلا گھونٹ لیا ہو۔“

”پھر تم اس کے پنج سے کس طرح آزاد ہوئی تھیں۔“

”یہ..... یہ تو..... میں کبھی نہ ہتاوں گی۔ کسی کو بھی نہیں۔“ اُس نے کسی قدر رک رک کر
کہا اور حمید نے اس کے چہرے پر محبوبیت کے آثار دیکھے۔ لہذا اُس نے اسی خاص بیکھتے پر
مزید گفتگو مناسب نہ کیجی۔

”کیا اُس زمانے میں بھی تمہاری ایسی ہی شہرت تھی۔“

”شہرت تو نہیں تھی۔ لیکن ایک بار بھی جو میرے گیت سن لیتا تھا پسند کرنے لگا تھا اور
اس وقت لوگ مجھے رینی کے نام سے جانتے تھے۔“

”تو یہ نام..... میرا یہ مطلب ہے صفورا..... تم نے خود اختیار کیا ہے۔“

”ہاں..... یہ میرا پروفائل نام ہے ورنہ گمراہے تو اب بھی رینی ہی کے نام سے
پکارتے ہیں۔“

”تب تو پھر پوگرام میں تمہارا نام دیکھ کر اس عورت نے تمہاری طرف حیان ہی نہ دیا ہوگا۔“

”صورت تو یاد ہوگی اُسے۔ کیونکہ اسی نے مجھے بڑی اذیتیں دی ہیں۔ میں سوچتی ہوں
آخر یہاں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔“

”تو گا کچھ..... ہمیں اس سے کیا سروکار..... میں تو دراصل اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں
تمہیں شہر دکھانا ہے۔“

”کیا یہ ممکن ہے.....!“ اُس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔“

”وہ کس طرح.....؟“

”تم تو اس سے بڑی طرح خائف معلوم ہوتی ہو۔ جیسے وہ کوئی خبیث روح ہو۔“

”ہاں..... وہ ایک بہت بڑے گروہ کی سربراہ تھی۔“

”گروہ کس قسم کا تھا.....!“

”ویسا ہی جیسے وہاں عام طور پر ہوتے ہیں۔ قمار خانے چلانے والے، مشیات کی ناجائز
تجارت کرنے والے، اور اس عورت نے تو شائد قبہ خانے بھی قائم کر کر تھے۔ بڑے بڑے
غندے کا پنتے تھے اس کے نام سے۔ میں نے سنا ہے کہ اس کے دور اقتدار میں شکا گو کے
دوسرے چھوٹے موئے گروہ ٹوٹ کر اسی کے گروہ میں خصم ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس کی
اطاعت قبول نہیں کی تھی انہیں نہ صرف شکا گو سے بلکہ ان ریاستوں سے بھی منہ موز لینا پڑا تھا
جہاں جہاں اس کا اثر تھا۔“

”تم کیسے پھنس گئی تھیں.....؟“

”وہی تو بتار ہی تھی بچپنی رات کو..... وہ بوڑھا آدمی مجھے کسی طرح بریس میں کیفے سے
نکال لے گیا تھا۔ دو دن تک اس نے مجھے ادھر ادھر چھائے رکھا پھر میں اسی ”رلانے والی“
کے سامنے پیش کر دی گئی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے اس رات وہ بھی تھی کیفے میں.....!“

”نام کیا ہے اس کا.....!“

”یہ تو مجھے آج تک نہیں معلوم ہوا کہ وہ اُسے رلانے والی ہی کہتے تھے۔“

”اچھا تو پھر تم اس کے سامنے پیش کر دی گئیں۔“

”اس نے مجھ پر فرقہ انگریز نظریں ڈالیں تھیں اور کہا تھا کہ میں اُسے کچھ گا کر سناوں۔
یقین کرو..... وہ رات بھر دیں بیٹھی شراب بیٹھی رہی تھی اور میں گاتی رہی تھی۔ اتنی اذیت پسند
عورت آج تک میری نظریوں سے نہیں گذری۔ مجھ ہوتے ہوئے اُس نے مجھ سے کہا کہ اپنے
سارے کپڑے اٹا دوں۔ مجھے غصہ آگیا اور میں مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئی۔ لیکن اُس کے دو
آدمیوں نے اُس کے حکم کی تعمیل کی اور پھر جب میں سکڑی سبھی خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی
تھی اس نے مجھے چڑے کے چاک سے مارنا شروع کیا۔ میرا پورا جسم لہو لہاں ہو کر رہ گیا تھا۔
پھر تین دن تک میری تمارداری ہوتی رہی تھی۔ ابھی بچپنے ہی زخم نہیں مندل ہوئے تھے کہ

”یقین جانو میں بھی صحیتی ہوں۔“

”ارے بس.....!“ حمید گردن جھٹک کر بولا۔

”ویسے تم بہت اچھے ہو۔ یقیناً تمہیں موسمی سے پچالگاؤ ہے۔ ورنہ تم کیوں میرے لئے اتنی تکلیف پرداشت کرتے۔“

”کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ یہ وہی عورت ہے۔“

”جس طرح کہ میں اپنے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ میں رینی ہوں صفوراً ہوں۔“

”ہوں.....!“ حمید نے پر ٹھکر انداز میں سر کو جبکش دی۔ تھوڑی درستک خاموش رہا پھر بولا۔ ”فرض کرو..... وہ تمہیں دیکھے پائے اور پیچان لے تو کیا ہوگا۔“

”وہ..... وہ مجھے جان سے مارڈا لے گی جیسا کہ دوسروں کے ساتھ کرتی تھی۔“

”اوہو..... تو کیا دوسروں کے ساتھ بھی۔“

”وہ سچ کوئی خبیث روح ہے۔ تم یقین نہ کرو گے۔ کیونکہ تم اس کا محضوم چہرہ دیکھے ہو۔ اس کے حسن سے متاثر بھی ہوئے ہو۔ کیونکہ تم نے ہی میری توجہ اس کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ارے وہ پتہ نہیں کیا ہے۔ جس آدمی کے ذریعہ مجھے اس کے پنجھ سے رہائی ملی تھی پھر وہ بھی وہاں نہیں رکا تھا۔ میکسیکو بھاگ گیا تھا۔ وہ اس کی بوئیاں اڑا دیتی۔ میں نے ایک خوبصورت نوجوان کا انجام اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔ اس نے اس کے کپڑے اڑوا دیئے تھے اور چاپک لے کر پل پڑی تھی۔ اس کے تین گرے روپ اور تانے کمرے تھے۔ نوجوان پٹ رہا تھا۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے جب تک ہوش میں رہا تھا چاپک پڑتے رہے تھے۔ پھر تیرے دن میں تے سنا کہ وہ مر گیا۔ مجھے رہائی دلاتے والے نے بتایا تھا کہ وہ درجنوں لاکیوں اور نوجوانوں کو اسی طرح ختم کر دیکھی ہے۔“

”آخر کا مقصد کیا تھا۔“

”اذیت پسند طبیعت کی تسلیم۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مجھے قابو

کے ایک ماہر نفیات نے اس کے متعلق بہت کچھ بتایا تھا۔“

”اچھا فرض کرو وہ تمہیں پیچان بھی لیتی ہے تو..... کیا تم یہ صحیتی ہو کہ وہ یہاں بھی تھا رے ساتھ کوئی ایسی حرکت کر سکے گی۔“

”سوال تو یہ ہے کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔“

”نوادرات کی تلاش میں آئی ہوگی۔“

”کیا اپنی اصلی حیثیت میں..... کیا تمہاری حکومت ایسے بدنام افراد کو ملک میں داخلے کی اجازت دے دیتی ہے۔ وہ اپنے صحیح نام اور پستہ کے ساتھ تو یہاں ہرگز نہ آئی ہوگی۔ تب پھر وہ

کس طرح پسند کرے گی کہ یہاں کوئی اس کی اصلیت جانتے والا بھی موجود ہو۔“

”میں نے تھمہیں انداز میں سر کو جبکش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میری دانست میں تمہاری احتیاطات حق بجانب ہو گی۔ اب میں دیکھوں گا کہ تمہیں اس شہر کی سیر کس طرح کر لئی جائے۔ لیکن تم اس کھنکھ کیٹ کے بارے میں کیا کرو گی۔“

”میں نے رات ہی نیا گردہ کے غیر کوفون کر دیا تھا کہ میں شہر میں ہی ہوں۔ صحیح فون کیا کہ میری طبیعت تھیک نہیں اس نے شاہکو میں شام کو وہاں نہ پہنچ سکو۔“

”اگر وہ تمہاری عیادت کو دوڑا آیا تو.....؟“

”دوسرا کو آج تک کون دیکھ سکا ہے۔“

”تھیک ہے۔ میں تمہیں جلد ہی بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”اوہ..... تو کیا جا رہے ہو۔“

”ہاں..... آں..... مجھے کچھ کرنا ہے اس سلسلے میں۔“

”کیا کرو گے۔“

”میرا ایک دوست پولیس آفیسر ہے۔ اس سے مشورہ کروں گا۔ لیکن میں یہ بھی تو نہیں بت جائیں گے اس کا قیام کہاں ہے۔ نیا گردہ میں تو نہیں ہو سکتا کیونکہ تم وہاں پر گرام میں حصہ لیتی

رہی ہو۔ کبھی نہ کبھی تو اس نے تمہیں دیکھا ہی ہوتا اور تم سکون سے نہ رہ سکتیں۔“

”تم خیک کرتے ہو۔ لیکن اسے کہاں تلاش کرو گے۔“

”فکر نہ کرو..... اپنے کمرے ہی تک محدود رہنا۔“ حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بڑا تھوڑی دیر بعد وہ سڑک پر تھا۔

پس منٹ بعد دفتر میں فریدی کو روپرٹ دے رہا تھا۔

”وہم ہے اس کا۔“ فریدی اختتام پر مسکرا کر بولا اور پھر سامنے پڑے ہوئے فائیٹر طرف متوجہ ہو گیا۔

”جی..... یعنی کہ.....!“

”میں نے بے شمار ہم شکل دیکھے ہیں۔“

”اللہ رحم کرے آپ کے حال پر.....!“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شندی سائنس لی اور تیزی سے مڑ کر کمرے سے نکل بھاگا۔

دھماکہ

وہ سمجھا تھا شائد فریدی اسے صفورا کے بارے میں کچھ ہدایات دے گا۔ لیکن یہاں بات کرنے کی مجبانش نہ رہی تھی۔ پھر آخر اس نے جیسی ڈرائیور کو ڈھونڈنا لئے کی زحمت کی گوارا کر لی تھی؟

اگر صفورا جھوٹی تھی تو اس جھوٹ کی ضرورت پر بھی غور کرنا لازم تھا۔ آخر اس نے کے سلسلے میں اتنا بڑا جھوٹ..... نہیں یہ ناممکن ہے۔ یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہی بات ہے کہ پرانی عادت کے مطابق حضرت اُسے اندر ہرے ہی میں رکھنا چاہئے ہیں۔ اچھی ہے جناب آپ بھی دیکھے ہیں گے۔ حمید کے ذہن میں وہی قدیم چمچکی کلبائی تھی،

اُسے پریشانیوں ہی میں بتا کر تی رہی تھی۔

وہ اُسی دن پھر صفورا سے ملا۔

”ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔“ اس نے اُس سے کہا۔
”میں نہیں سمجھی۔“

”ہم معلوم کریں گے کہ وہ کہاں رہتی ہے۔“

”ہم سے کیا مراد ہے تمہاری..... کیا میں سمجھی۔“

”بالکل..... بالکل..... لیکن وہ ایک فٹ کے فاصلے سے تمہیں نہ پہچان سکے گی۔“

”بھلا دوہ کیسے.....؟“

”میک اپ.....!“

”ایسا میک اپ..... صفورا کے لجھے میں حیرت تھی۔“

”ہاں..... ہاں..... ہم دونوں ہی کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔“

”کیا تمہیں اس میں دخل ہے۔“

”ماہر ہوں..... ماہر.....!“ حمید اکٹھ کر بولا۔ ”در اصل میں اٹیج ایکٹر ہوں۔ اکٹر فلموں

میں بھی میں نے اپنا میک اپ دیا ہے۔“

”تب تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ میں ایک غیر ملکی ہوں۔“

اگر پولیس کو علم ہو گیا کہ میک اپ میں ہوں تو مجھ سے ضرور جواب طلب کر لیا جائے گا۔“

”میرا وہ دوست..... پولیس آفیسر پھر کب کام آئے گا۔ تم مطمئن رہو۔ ڈرون ہیکر۔ میں اسی کے مشورے سے ایسا کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اسے بتایا تھا۔ اسے بھی تشویش ہو گئی ہے۔“

”تب تو پھر خیک ہے۔ اس طرح گویا میں یہاں کی پولیس کی مدد کروں گا۔“

”بالکل..... بالکل.....!“

”پتہ نہیں کیسی شکل بناؤ میری۔“

”بناؤں گا نہیں..... بدلوں گا۔“

کے لئے کہا۔ پھر جب حمید ان دونوں کی طرف مڑا تو صفورا کی آنکھیں حرمت سے پھیلی رہ گئیں۔ کیونکہ اتنی دیر میں حمید نے اپنا وہ ریڈی میڈ میک اپ استعمال کر دالا تھا جو ہر وقت ہی جیب میں پڑا رہتا تھا۔ یعنی وہ اسپرینگ جوناک کے تنتوں میں فوری طور پر فٹ کئے جاسکتے تھے۔ ناک کی نوک اور پری ہونٹ سمیت اور پرائی چلی گئی تھی اور سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے تھے۔

نیا گردہ کا اسنٹ فیجر اسے پرتوشیش نظریوں سے دیکھتا ہوا بینجھ گیا۔ صفورا نے شاند اُس کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوال کو پڑھ لیا تھا۔ اس لئے جلدی سے بولی۔

”یہ سڑا حمد ہیں..... میرے پن فرینڈ..... تین سال سے انھیں جانتی ہوں لیکن ملاقات کل ہی ہوئی تھی۔ خط و کتابت کے ذریعے غیر ملکیوں کو دوست بنانا میری ہابی ہے۔“

”دیچپ ہابی ہے۔ میں سعید ہوں۔“ اس نے حمید کی طرف ہاتھ پر بڑھاتے ہوئے کہا۔ حمید مصافحہ کرتے وقت آہستہ سے کچھ بڑی بڑی یا جسے وہ دونوں سن نہ سکے اور پھر چند ری باتوں کے بعد کاروباری گفتگو شروع ہو گئی۔ حمید خاموش بیٹھا رہا۔ صفورا فیجر سے کہہ رہی تھی وہ کم از کم تین دن قلعی آرام کرنا چاہتی ہے۔ اسنٹ فیجر کہہ رہا تھا کہ وہ صرف خریت دریافت کرنے آیا ہے۔ اس کی خواہش فیجر نکل پہنچادے گا اور فیجر ہی اُس کا فیصلہ کر سکے گا کہ وہ تین دن آرام کر سکتی ہے یا نہیں۔“

”وہ منٹ بعد وہ اٹھ کر چلا گیا اور صفورا پھر پہلے ہی کے سے متینہ انداز میں حمید کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”تم تو حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔ بھلا اتنی جلدی یہ کیسے ہوا۔“

”کہاں.....؟ کیا ہوا.....؟“ حمید نے کہا اور ناک سہلانے کے بھانے ہاتھ اور پر لے گیا اور فیجر ہاتھ ہٹا ہے جیسے سے تو سب معاملہ تھیک نہ تھا۔

”ارے.....؟“ وہ اچھل پڑی۔

”کہیں مجھے بھی کوئی خبیث روح نہ سمجھ لیتا۔“

”رنگت بھی بدل دو گے۔“

”میرا باب بھی نہیں بدل سکتا۔“

”پھر.....؟“

”ارے صرف خدو خال بدلوں گا۔ بس تم اُس حیثیت سے پہچانی نہ جاسکو گی جس میں اُس نے تمہیں دیکھا تھا۔“

”تم اپنی شکل کیوں بدلو گے.....؟“

”ارے تم اتنے بہت سے سوالات کیوں کر رہی ہو۔“

”میں سمجھ گئی۔“ اُس نے مضھلی آواز میں کہا۔ ”تم ایک کالی لڑکی کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتے۔“

”میں تو گلوٹیوں کے ساتھ دفن ہونا بھی پسند کروں گا۔“

”تو غصہ کیوں آرہا ہے.....؟“

”ارے ابا پ رے۔“ حمید اردو میں بڑی بڑی۔ ”میرے سر پر سوار ہو جانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”دیکھو..... دیکھو..... اپنی زبان میں مجھے زرا بھلا کہہ رہے ہے۔ تمہیں یقیناً غصہ آرہا ہے۔“

”اب آجائیے گا اور نہ خاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔“ حمید نے انگریزی میں کہا۔

”اچھا تو سوچو.....!“ وہ بے بسی سے بولی اور حمید یہ سوچنے لگا کہ وہ حق مج بالکل آلو کا پنچا ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ اس حماقت میں پڑا جائے۔

”دفعہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔“

”کون ہے۔“ صفورا بوكھلا کر اٹھتی ہو گئی بولی۔

کسی نے باہر سے کچھ کہا اور وہ حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ ”نیا گردہ کا اسنٹ فیجر معلوم ہوتا ہے۔“

حمد بھی اٹھا اور، بوار کی طرف مڑ گیا۔ صفورا نے دروازہ میں کر آئے، اسے کو اندر آنے

”قطیعی..... اور ان کی نوہ میں بھی نہ رہنا سمجھے۔“

”بہت بہتر جناب..... کیا آپ تشریف نہیں لارہے۔“

”ہرگز نہیں..... کیونکہ میری تشریف آوری تمہارے لئے مصیبت ہی بن جاتی ہے۔“

”جیسی جناب کی مرضی..... اور کچھ.....!“

”بس شکریہ۔“

اس کے بعد اس نے خود پر کسی فلیپنی کامیک اپ کیا تھا۔ پلاسٹک میک اپ جس سے آنکھوں کے نیچے کا حصہ بالکل پاٹ ہو گیا تھا۔

”واقعی..... تم ماہر ہو۔“ صفورا نے کہا۔

”اب تم روزی ہو اور میں مسٹر سانگ فی..... میرا نام نہ بھولنا۔ سانگ فی اور تم روزی..... ہم انگشٹی میں گفتگو کریں گے۔ بس اب تیار ہو جاؤ۔“

چھر دہنگی میں بیٹھ کر ہائی سرکل کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمدید سوچ رہا تھا کہ پچھلی شام بیزاری اور اداہی لے کر آئی تھی لیکن اس وقت ذہن کی کیا کیفیت ہونی چاہئے۔ کیا اب وہ کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دے۔ تھائی اگر اسی طرح رفع ہوتی ہے تو اسی زندگی کو سات سلام..... بہر حال یہ بلا خود ہی اپنے گلے ذاتی تھی لہذا بھگتاں تو ہو گا ہی۔

ہائی سرکل کے ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے فیجر سے ملاقات ہوئی۔

”جناب عالی..... ادھر تشریف لا یئے..... اس میز پر..... اگر آپ عزت مآب کیپن حمید کے مہمان ہیں۔“

”ہاں..... ہاں.....!“ حمید بھرا کی ہوئی آواز میں بولا اور پھر انہوں نے اس کی بتائی ”ہو گیا میز پر قدر کر لیا تھا۔“

”یہ کس کیپن حمید کا حوالہ دے رہا تھا۔ کون تھا.....؟“

”وہ اس کلب کا فیجر ہے۔“ حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ اس نے اسی پولیس آفسر کا حوالہ دیا

”خدا کی قسم مجھے حیرت ہے۔ بھلا اس طرح اوپر کا ہونٹ ناک سمیت کیسے اٹھ کتا ہے۔“

”تم کوشش مت کرتا۔ تمہارا ہونٹ پہلے ہی کافی اخما ہوا ہے۔ ناک غائب ہو جائے گی۔“

”نہیں مجھے بتاؤ۔ یہ تم نے کیسے کر لیا تھا۔“

”جب تم یہاں سے واپس جانے لگو گی سب کچھ بتا دوں گا۔“

”میں الجھن میں رہوں گی۔“

”اس طرح کم از کم مجھے یاد تو رکھو گی۔“

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یاد رکھوں۔“

”ہاں.....!“ حمید پھر جلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس قسم کے رومنٹک جملے اس زبان سے کیوں نکل رہے ہیں۔

”آخر تمہارا مزاج کس قسم کا ہے۔ میں مجھے ہی نہ سکی ابھی تک۔“

”نہ سمجھتا ہی بہتر ہے۔ پچھلے سال ایک لڑکی نے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ لہذا آج کل کچھ دریک تو بھوکتی رہتی ہے اور پھر کاشنے بھی دوڑتی ہے۔“

وہ اس طرح منہ کھو لے اسے دیکھتی رہی جیسے بات سمجھے ہی میں نہ آئی ہو۔

اس دن حمید پھر فریدی سے نہیں ملا تھا۔ شام ہونے کا منتظر ہا۔ میک اپ میں منفوٹھ کاٹ کر بھاگا۔

شام کو اس نے بھیت کیپن حمید ہائی سرکل کے فیجر کو فون کیا۔

”دیکھو دوست! میرا ایک معزز فلیپنی دوست ایک افریقی لڑکی کے ساتھ آئے گا۔ اسٹراؤڈ کشن کافی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی فلیپنی کو پچان نہ سکتے کا عذر کر سکو لیکن کسی سے نیگر لیں کو تو لاکھوں میں شناخت کر سکو گے۔“

”کیا مجھے ان کے ساتھ کسی خاص قسم کا برناڈ کرتا ہے۔“ فیجر نے پوچھا۔

”نہیں..... بس تم ان سے یہ نہ پوچھو گے کہ وہ کس باقاعدہ مجرم کے ساتھ آئے ہیں۔“

”کیا یہ سرکاری حکم ہے۔“

”کیا تم نہیں پیوں گے۔“

”جب تک مجبور اپنی پڑا تھا پیتا رہا تھا اس کے بعد سے تو پھر اس سے شوق نہیں کیا۔“

”اچھی چیز ہے روزانہ ایک گلاں ضرور پیا کرو۔“

حمدید راسامنہ بننا کر دیا۔ کچھ بولا نہیں۔

ملک فیک آیا۔ وہ جیتی رہی اور حمید سوچتا رہا کہ وہ بچھے چند ہے۔ جس کیلئے یہ سارا کھڑاگ کیا اس سے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔ حدیہ ہے کہ اس عورت کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔ اس نے طویل سانس لی اور صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ غالباً چھٹی حس عی تھی جس نے صدر دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ اسے کیا پتہ کہ وہ عورت ہال میں داخل ہو رہی ہے۔

حمدید سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

عورت کے ساتھ وہی مرد نظر آیا جو بھیلی رات اسے نیا گرد سے گھبیٹ لے گیا تھا۔ بس وہی دونوں تھے آگے پیچھے اور کوئی نظر نہ آیا۔ ہو سکتا ہے ان کے لئے میز پہلے تی سے مخصوص رہی ہو کیونکہ وہ کسی کی رہنمائی کے بغیر ہی اُس میز تک جا پہنچے تھے۔ فاصلہ حمید کی میز سے زیادہ نہیں تھا لیکن اتنے قریب بھی نہیں تھے کہ وہ ان کی گفتگوں سکتا۔ غالباً یہی خان وجاہت ہے، حمید نے سوچا۔ آدمی ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے۔ عورت کچھ اکٹائی اکٹائی سی نظر آ رہی تھی۔

”تم اسے اس طرح نہ کھو رو.....!“ حمید نے صفورا سے کہا اور وہ چوک کر پھر ملک فیک کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”میں انگاروں پر کھڑی ہو کر کہہ سکتی ہوں کہ یہ ”رلانے والی“ ہی ہے۔“

”میرا دل کھنچا جا رہا ہے اس کی طرف۔“ حمید بڑا بڑا۔

”خدا کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لو۔ مت دیکھو اس کی طرف۔“

”ارے واہ..... یہ کیا بات ہوئی۔“

تحا جس کی ہم مدد کر رہے تھے اور کیا پوچھتا ہے۔ سب کچھ ایک ساتھ پوچھلو۔“

”تم خفا کیوں ہو رہے ہو۔“

”کچھ نہیں..... سب ٹھیک ہے۔“

”تم نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔“

”دل کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ حمید بے بی سے کراہا۔

”پڑھنے میں تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا کہہ رہے ہو؟“

”بس تم بولے جاؤ۔ مجھ سے جواب نہ طلب کرو۔“ حمید نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا اور سوچا اے پاک پروردگار جو عذاب خود ہی اپنے اوپر نازل کیا جائے اس کے لئے کس سے فریاد کی جائے اور کس منہ سے کی جائے۔

”میں ملک فیک پیوں گی۔“

”دوہی کی لسی منگواؤں۔“ حمید نے جمل کر پوچھا۔

”یہ کیا چیز ہے۔“

”یہاں کا خاص مشروب ہے جسے پی کر آدمی خود کو چند محبوس کرنے لگتا ہے۔“

”مکد..... کیا چیز ہے۔“

”مکد نہیں..... چھڑ.....!“ حمید نے جھلا کر تھجج کی۔

”چلو وہی سکی..... کیا چیز ہے۔“

”میں چند ہوں۔“

”ہوگا..... مجھے کیا..... تم پڑھنے میں بھر گئے ہو۔“

حمدید نے اپنا دماغ شختا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر اس بے چاری کا کو

قصور..... خواہ مخواہ جھلاہٹ کا مظاہرہ کیوں کیا جائے۔ وہ خود ہی تو اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ

نہیں آئی تھی اس کے پاس۔

اس نے دیٹر کو بلا کر صرف ایک گلاں ملک فیک کے لئے کھا۔

”کمال کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ وہ خبیث اُسے دیکھ کر سرو نظر آنے لگی ہے۔ لیکن اُس کے ساتھی کی آنکھوں میں کینہ اور نفرت ہے۔“

”اُرے تو پھر میں کیا کروں۔“ حیدر وہانسی آواز میں بولا۔ ”کوئی میں نے خمیک لیا ہے سارے زمانے کا۔“

”اے..... اب تم اپنا مودہ خمیک کرلو، ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔“

حیدر نے طویل سانس لی اور خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ لہذا پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب فریدی اور خان وجاہت برادر اور راست ایک دوسرے کو گھوڑہ ہے تھے۔ حیدر نے محسوس کیا کہ عورت خان وجاہت کی توجہ اُس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بار بار وہ اس سے کچھ کہتی لیکن وہ صرف سر ہلا کر رہ جاتا۔ لیکن آنکھیں بدستور فریدی کے چہرے علی پر جمی ہوئی تھیں۔

نہ جانے کیوں حیدر کو ایسا محسوس ہوا جیسے دو بچوں کے درمیان چکلٹ نہ جھپکانے کا مقابلہ شروع ہو گیا ہو۔

”چلو یہاں سے.....!“ صفوراً حیدر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مختبر بانہ انداز میں بولی۔ ”یہ دونوں ہی خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں یقیناً جھکڑا ہو گا۔“

”خاموش بیٹھی رہو۔“

”میں کہتی ہوں۔“

”چپ رہو..... جب ان دونوں کے درمیان جھکڑا شروع ہو گا، میں اسے باسانی اٹھا لے جاؤں گا۔“

”کس کو.....!“

”ایسی عورت کو..... منہ پر ہاتھ رکھوں گا اور کاغذ سے پر اٹھا کر لے جاؤں گا۔“

”اُرے.....! تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔“

”مت جھولو کہ تم ایک پولیس آفیسر کے بھیجے ہوئے یہاں آئے ہو۔“

”بس بس اُس کا نام نہ لینا۔“

”اللہ رحم کر.....!“ صفوراً گزگڑا۔ ”اس خبیث عورت سے ہر ایک کو دور رکھ۔“

”میرا دل چاہ رہا ہے کہ اُس کے ساتھی کو کرسی سے دھکیل کر خود اس کی جگہ بیٹھوں۔“

”تم چلو یہاں سے اٹھو.....!“

”کہاں جاؤں.....؟“

”کہیں بھی چلو..... لیکن یہاں نہیں بیٹھیں گے۔ میں اتنے اچھے دوست کو موت کے منہ میں جاتے ہوئے نہ دیکھ سکوں گی۔“

”اُرے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ مجھے وہ عورت بہت اچھی لگتی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ صفوراً طویل سانس لے کر بولی۔ ”تم مجھے اُس پولیس آفیسر کا نام اور پڑتائی۔ میں خود اس سے مل کر گفتگو کروں گی۔“

حیدر کا دل چاہا کہ فریدی کا نام اور پڑتائی کر اُس کے حوالے کرے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس سے باز رہا کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ پڑتائیں کیا چکر تھا۔ بہر حال وہ اس عورت کو دیکھتا ہی رہا اور صفوراً اس سلسلے میں اپنی پریشانی کا انکھار کرتی رہی۔

”اُرے بس کرو..... زندہ رہنے دو گی مجھے یا نہیں۔“

”میں پھر کہتی ہوں۔ اس کی طرف سے نظر ہٹالو۔“

حیدر جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نظر آیا۔ وہ تھا ہی تھا اور اس نے دونوں کے قریب ہی کی ایک میز منتخب کی۔ حیدر نے عورت کے چہرے پر تغیر دیکھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے یک بیک کھل اٹھی ہو۔ اس کے ساتھی کی بھنویں تھی ہوئی تھیں۔ یہ سارے تغیرات کچھ اتنے واضح قسم کے تھے کہ صفوراً نے بھی انہیں محسوس کر لیا تھا۔

”یہ کون ہے؟“ اس نے حیدر سے پوچھا۔ اشارہ فریدی کی طرف تھا۔

”دوز کر پوچھ جاؤں؟“

”احق لڑکی..... تم اس کے چاپک لگاؤ گی..... انتقام لوگی اپنا یا نہیں۔“

”نہیں..... نہیں..... میں کسی زحمت میں نہیں پڑتا چاہتی۔“ صفورا کی آواز خوف مارے کانپ رہی تھی۔

اب حمید ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ خان و جاہت اُس عورت سے گفتگو کر رہا ہے۔

لیکن فریدی اب بھی اُس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”یہ آدمی کون ہو سکتا ہے۔“ صفورا پھر بڑی اُنی۔

”کس آدمی کی بات کر رہی ہو۔“

”وہی جو تھا ہے اپنی میز پر۔“

”میں نہیں جانتا۔“ حمید نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دی۔ ”تم آخراب اُس کے

پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔“

”اس کی آنکھیں عجیب ہیں..... ایسا لگتا ہے جیسے اُسے کسی بات کی پرواہ ہی نہ ہو۔“

”ہوں.....!“ حمید غریا۔

”کیوں؟ کیا بات ہے۔“

”میں اپنے پاس بیٹھنے والی لڑکی سے کسی دوسرے کی آنکھوں کے بارے میں کچھ سننے

پسند نہیں کرتا۔ کیا میری آنکھیں عجیب نہیں ہیں۔“

”ارے واہ..... یہ کیسی باتیں شروع کر دیں تم نے..... میں تو یہ کہہ رہی تھی..... کچھ اس

قصہ کی آنکھیں ہیں جنہیں خوفناک بھی کہا جاسکتا ہے۔“

”خوفناک..... پوہ..... اس کی آنکھیں تو اسکی ہیں جیسے ابھی ابھی یہیں بیٹھے بیٹھے

سو جائے گا۔“

”خدا کی پناہ..... کیا تم اسکی آنکھوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں نے زولولینہ

کے ایک طالم و جابر بادشاہ ”چاکا“ کی تصویر دیکھی تھی۔ اسکی ہی آنکھیں تھیں۔ بالکل اسکی ہی

آنکھیں..... آنکھوں کی یہ کیفیت خون کی پیاس کا پتہ دیتی ہیں۔“

”لیکن یہاں تو وہ تمہاری ہی طرح ملک شیک پیتا نظر آئے گا۔“

”اوہ..... دیکھو..... وہ شاید اٹھ رہا ہے۔“ صفورا مضطربانہ انداز میں بولی۔

حمدی نے دیکھا۔ فریدی بھی اس کی اٹھ گیا تھا۔ حمید نے اُسے صدر دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ عورت کے چہرے پر کسی قدر اضطراب لپیدا ہو گیا ہے۔

عورت اور خان و جاہت وہیں بیٹھے رہے۔ فریدی صدر دروازے سے گذر کر باہر جا چکا تھا۔

”میں کہتی ہوں..... اب تم بھی چلو یہاں سے۔“ صفورا بولی۔ ”ہم آخر اس کی قیام گاہ کا پڑنا کر کریں ہی گے کیا۔“

”میں نے آج بہت محنت کی ہے۔ بہت وقت بر باد کیا ہے۔ لہذا کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔“

”چھوڑو بھی۔ تم نے مجھے شہر کی سیر کرنے کو کہا تھا۔“

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے ہی مشورے سے میں نے اس کا تذکرہ اپنے اُس دوست پولیس آفیسر سے کیا تھا۔ لہذا اس وقت میں اسی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو اپنے ہوٹل واپس جا سکتی ہو۔“

”تم نے یہ خطرہ میری وجہ سے مول لیا ہے۔ لہذا میں ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔“

”تمہاری مرضی..... اچھا میں دس منٹ میں آیا۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”کہاں چلے..... کیا میں تھا بیٹھوں گی۔“

”صرف دس منٹ..... ایک ضروری کام۔“

پھر وہ اُس کی بات سننے کے لئے وہاں رکا نہیں تھا۔ باہر آیا۔ کپاؤڈ کے باہر سڑک کے کنارے تھوڑے فاصلے پر ایک پیلک نیلی فون بوٹھ تھا۔ یہاں سے ہائی سرکل کے نمبر ڈائل کئے فوراً ہی جواب ملا۔

”میں حمید بول رہا ہوں ڈیزیر۔“ اس نے ماڈ تھوڑی پیس میں کہا۔

”اوہ..... آداب بجا لاتا ہوں جناب۔ آپ کے مہمان بہت خوش ہیں۔ کہئے اور کوئی

خدمت میرے لائق۔ کچھ دیر پہلے جناب کریل صاحب بھی تشریف فرماتھے۔ اب تشریف گئے۔ خان وجاہت اور و محترمہ بھی یہاں موجود ہیں۔“
”مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”تمہیں تھوڑی تکلیف اور دونوں بھائی گاڑی غائب پار کنگ شیڈ سے ان کی گاڑی نکلی رہی تھی کہ حمید نے فخر کی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے صفورا سے بیٹھنے کو کہا۔
”ارے..... ارے..... ہم تو غالباً یکسی میں آئے تھے۔“ صفورا بوكھلا کر بولی۔

”پولیس آفسرنے اپنی گاڑی ہمارے لئے بھجوادی ہے۔“ حمید نے انہیں اشارت کرتے ہوئے کہا۔

اب وہ خان وجاہت کی گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا۔

”وہ دونوں..... کیا ہم ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔“ صفورا ہانپتی ہوئی بولی۔

”تم اب خاموش ہی رہو تو بہتر ہے.....!“ حمید غرایا۔

”ارے..... ارے.....!“

لیکن حمید نے ”ارے..... ارے.....“ کا کوئی جواب نہ دیا۔ کان کھاری تھی اتنی دیر سے۔ اب خاموش ہی رہتی تو اچھا تھا۔

پتہ نہیں وہ خالف تھی یا بوریت محسوس کرنے لگی تھی کہ مجھ پھر وہ بولی ہی نہیں۔ وہ شہر کی سڑکوں سے گذر رہے تھے۔

”مجھے تو اب نیند آرہی ہے.....!“ صفورا منسنائی۔

”پچھلی رات بھی تمہیں نیند آرہی تھی جس کی بنا پر آج میں اس حال کو پہنچ گیا۔۔۔۔۔ اس وقت کی نیند شائد کل مجھے موگ پھلیاں بیخنے پر مجبور کردے۔“

”مجھے میرے ہوٹل پہنچا دو۔“

قبل اسکے کہ حمید کچھ کہتا ایک زور دار دھا کر ہوا اور اگلی گاڑی کی ڈکے دھواں اگلنے لگی۔

آس پاس کئی جیھیں بھی ابھری تھیں۔ پھر افراتفری سی رنج گئی۔ حمید کے اوسان بحال تھے۔ وہ اپنی گاڑی آگے نکالے لیتا چلا گیا۔

سے کہا۔

”پتہ نہیں تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“ وہ پرشوٹش انداز میں بڑھ رہا۔

پھر یہ دونوں بھی باہر آئے تھے اور پار کنگ شیڈ سے ان کی گاڑی نکلی رہی تھی کہ حمید نے فخر کی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے صفورا سے بیٹھنے کو کہا۔

”ارے..... ارے..... ہم تو غالباً یکسی میں آئے تھے۔“ صفورا بوكھلا کر بولی۔

”پولیس آفسرنے اپنی گاڑی ہمارے لئے بھجوادی ہے۔“ حمید نے انہیں اشارت کرتے ہوئے کہا۔

”موجود ہے عالی جناب۔“

”اس کی کنجی اگنیشن میں موجود ملنی چاہئے۔ شاید میرے ہمہان اُسے کچھ دیر کے استعمال کریں۔“

”م..... مگر جناب.....!“

”فکر نہ کرو..... ذمہ داری میری ہے۔ اگر کوئی ثبوت پھوٹ ہوئی تو مرمت کرائے بغیر تمہیں واپس نہ کی جائے گی۔“

”بہت بہتر جناب“ مردہ آواز میں کہا گیا۔ ”کیا کنجی ہمہان کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔“

”تمہیں اسے اگنیشن میں لگا کر چھوڑ دو۔ بس شکر یہ۔“

حمدید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر کپاڑ غصک پہنچنے میں کم از کم اتنی دیر کی کہ اس کے اندازے کے مطابق اس وقت میں کار سے متعلق ہدایات پر عمل کیا جا چکا ہو۔

ڈائیگ ہال میں واپسی پر اس نے دونوں کو وہیں پایا۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے کشیدہ نظر آ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے عورت کو اٹھتے دیکھا۔ خان وجاہت اس سے کچھ کہہ رہا تھا اور انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ وہاں سے جانا چاہتی ہو اور خان وجاہت رکنے کے لئے کہہ رہا ہو۔

پھر وہ بھی اٹھ گیا۔

”جب وہ صدر دروازے سے گذر جائیں تو ہم بھی اٹھ جائیں گے۔“ حمید نے صفو

بوکھلا ہٹ

”ارے.....ارے.....روکو.....روکو.....دیکھو کیا ہوا۔“ صفوراً بہذیانی انداز میں بولی۔

”خاموش بیٹھی رہو۔“

”یعنی.....یعنی.....!“

”شٹ اپ.....!“

صفوراً نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن صرف ہونٹ مل کر رہ گئے۔ حمید گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر کرتا رہا اور آر لکھو کے سامنے رک گئی۔

”شیخے اترو.....!“ حمید نے کہا۔

”یہ کہاں لائے ہو۔“ صفوراً نے خوفزدہ لمحے میں کہا۔

”بھوکا ہوں.....تمہیں لکھاؤں گا۔“

”مجھے ذرا دُہیں۔“

”میں کوئی خبیث روح نہیں.....یہ میرا پسندیدہ ہوٹل ہے، یہاں کھانا کھائیں گے۔ چلو اترو.....بھوک چمک اٹھی ہے۔“

”وہ سہی ہوئی گاڑی سے اتری اور حمید کے ساتھ چلے گی۔“

آر لکھو کا ڈائینگ ہال خاصاً آباد تھا۔ لیکن حمید کو اتنا ہوش کھانا کر کر وہ اس پر دھیان دیتا۔ وہ تو بہت عجیب جذباتی انداز میں اس دھاکر کے متعلق سوچے جا رہا تھا۔ دھاکر خان وجہت کی گاڑی کی ڈکے میں ہوا تھا اور گاڑی ہائی سرکل کلب کے پارکنگ شیڈ میں کھڑی رہی تھی۔ فریدی اور خان وجہت ہائی سرکل کے ڈائینگ ہال میں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں

سے گھوڑتے رہے تھے۔ پھر فریدی وہاں سے چلا گیا۔ وجہت اور وہ عورت باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے اور حمید نے ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ پھر دھاکر.....اور وہ اپنی گاڑی آگے نکال لے گیا تھا۔ کیا تھا یہ سب کچھ؟ فریدی؟ کیا یہ بھچلی رات والی توہین کا انتقام تھا۔ حمید سوچتا رہا اور پھر وہ دیٹر کی آمد پر چونکا تھا۔ میتو سے کچھ یونہی اوٹ پٹا گک سی چیزیں منتسب کیں اور آرڈر دے دیا۔

”میں پوچھتی ہوں.....تم رکے کیوں نہیں تھے۔“ صفوراً کچھ دریہ بعد کا پتی ہوئی سی آواز میں بولی۔

”میں نے تمہاری عخل پر تو میک اپ کیا نہیں تھا پھر اتنی احتقانہ باشیں کیوں کر رہی ہو۔ ہم دونوں غیر ملکی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس میک اپ میں اگر ہم رکتے تو یقینی طور پر پولیس ہمیں بطور گواہ استعمال کرنے کی کوشش کرتی۔“

”لیکن تمہارا وہ دوست پولیس آفیسر.....!“

”یہ کارروائی بخی طور پر تھی۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اب میں بخی طور پر اسے اس حداثے سے مطلع کر دوں گا۔“

”ہاں.....یہ تو درست ہے۔ ہم دشواری میں پڑ جاتے۔“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی اور حمید نے اسامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

صفوراً تھوڑی دریک خاموش رہی پھر بولی۔ ”تو تم مجھ سے کیوں خفا ہو گئے ہو۔“

”خفا نہیں ہو گیا.....بھوکا ہوں.....اور بھوک کی حالت میں پڑتے نہیں کیسی کیسی ہستیوں کو چبا گیا ہوں۔ پھر میں یہ نہیں دیکھتا کہ گوشت کی رنگت کیسی ہے؟“

”میں بڑی دری سے تمہاری باتوں میں درندگی محسوس کر رہی ہوں۔“

”بس اب خاموش رہو۔ کھانے کے بعد مزید گفتگو ہو گی۔ ہر موضوع پر بے تکان بول سکوں گا۔“

وہ اُسے عجیب نظروں سے دیکھتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ پھر کھانا آگیا تھا۔ کھانے کے بعد

فریدی کی شکل دیکھتے ہی ایسا بہامنہ بنایا جیسے خود کشی کر لینے کی حد تک بور ہو گیا ہو۔
 ”شر و نحن کا ذوق رکھتے ہو تو آدمیوں میں بیٹھا کرو۔ ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے۔“
 ”انہیں کے ساتھ میری بھی پروردش ہوئی ہے۔“ حمید نے زہریلے لمحے میں کہا۔
 ”اوہو.....!“ فریدی اُسے کھینچ کر لپٹاتا ہوا بولا۔ ”بے بی روہانا ہو رہا ہے۔“
 ”جی..... آؤ فیڈ تیار ہے۔“
 ”چھوڑ دیجھے مجھے.....!“ حمید چلا۔
 ”چلو سیدھی طرح.... ورنہ.....!“ فریدی اُنکی گردن پکڑ کر پورچ کی طرف گھماتا ہوا بولا۔
 حمید بادل ناخاست چلنے کی اینٹنگ کرتا ہوا ساتھ دیتا رہا۔ وہ بہ آمدے میں آئی۔
 حمید اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔
 ”وہ خوبصورت ہے حمید۔“ فریدی کچھ دیر بعد بولا۔
 ”میں فی الحال اُس کی والدہ ماجدہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ خاتون
 اس سے بھی زیادہ خوبصورت رہی ہوں۔ لہذا مجھے بورنہ کیجھے۔“
 ”بکواس بند کرو۔ میں اس سے پہلے کئی بار تھاری رو داد عشق سن چکا ہوں۔ میں تو بور
 نہیں ہوا تھا۔“
 ”تو گویا یہ سچ ہے.....!“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔
 لیکن فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر سار سلاک نے لگا۔ حمید ایک پل کے لئے
 رک کر پھر بولنے لگا تھا۔ ”یا تو اتنا اجتناب..... یا پھر ساری منزلیں ایک ساتھ طے کر ڈالیں۔
 لیکن نہ صرف عشق بلکہ رقبت بھی۔ خدا کی پناہ..... بڑی شان والا ہے تو پاک پروردگار چاہے تو
 گھوڑے کو بھی لاطینی بولنے پر مجبور کر دے۔“
 فریدی نے طویل سانس لی اور مسکرا کر حمید کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔
 ”آپ نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔“ حمید خلک لمحے میں بولا۔
 ”بھلا دہ کیسے فرزند.....؟“

کافی کا دور چلا لیکن صفورا خاموش ہی رہی اور حمید تو اب اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو کرنا ہے
 نہیں چاہتا تھا۔
 ”بہر حال ہم شہر نہ دیکھ سکتے۔“ صفورا روانگی کے لئے اٹھتی ہوئی بولی تھی۔
 ”دیکھ لیں گے شہر بھی۔“
 ”آخڑتھارا موڈ کیوں خراب ہو گیا ہے۔ شام تک تو اچھے خاصے تھے۔“
 ”اب بھی ٹھیک ہوں بابا..... کان نہ کھاؤ۔“
 اور پھر وہ اُسے مے پول کے قریب چھوڑ کر ہائی سرکل واپس آ گیا تھا۔ یہاں پارکنگ
 شیڈ میں فیجر کی گاڑی چھوڑی تھی اور واپسی کیلئے مڑعنی رہا تھا کہ فیجر سے مذہبیز ہو گئی۔
 ”گاڑی نے کوئی تکلیف تو نہیں دی جتنا بھالی۔“
 ”نہیں.....!“ حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
 اب وہ سیدھا گمراہ جانا چاہتا تھا۔ اتفاقاً جیسی بھی جلدی مل گئی ورنہ آس پاس جیسی کے
 لئے کچھ دیر بھکلنے اسی پڑتا تھا۔
 فریدی گمراہ موجود نہیں تھا۔ حمید نے سوچا ظاہر ہے گمراہ موجودگی کا سوال ہی نہیں تھا
 ہوتا۔ لیکن انتقام لینے کا یہ طریقہ اُسے پسند نہیں آیا تھا۔ ارے کہیں لالکار کر مارا ہوتا۔ لیکن
 خورت..... رلانے والی۔
 جہنم میں جائے..... اس نے سوچا۔ پھر کیا کیا جائے۔ اگر اسے علم ہوتا کہ فریدی گمراہ
 موجود نہیں ہے تو بارہ ایک بجھ سے پہلے گمراہ واپس نہ آتا۔ صفورا کو مے پول میں چھوڑ کر کہ
 بھی جاسکتا تھا۔
 اکتاہٹ اور جھلاہٹ میں جلا ہو کر اُس نے خواہ خواہ فون پر اوٹ پٹاگ کا لیں کر
 شروع کیں۔ کبھی کسی جزل مرچنٹ سے ریزربلینڈ کے دام پوچھتا، کبھی کسی سینما ہاؤز کے
 سے پوچھتا کہ وہ تین ماہ بعد کون کون سی فلم اکزبٹ کرے گا۔
 پھر یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ کسی نے حمید کے کانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونکہ کرم

”وہ شخص جو کل تک قانون کا محافظ تھا آج ایک عورت کے لئے قانون نکن بن بیٹھا۔“
”میں نہیں سمجھتا.....!“

”آپ نے جوش انقام میں یہ بھی نہ سوچا کہ آپ کی منکور نظر بھی اسی گاڑی میں ہو گی۔“
”کیا بک رہے ہو۔ صاف صاف کہو۔“

”آپ نے ان کی گاڑی کے ذکر میں غالباً ٹائم برم رکھوادیا تھا۔“
”تو پھر.....؟“

”دھاکہ ہوا تھا..... لیکن میں ان کا انجام دیکھنے کے لئے رکا نہیں تھا۔“
”تم تعاقب کر رہے تھے؟“

”جی ہاں..... اور میں نے ہائی سرکل میں آپ دونوں کو خونخوار قسم کے مودہ میں بھی دیکھا تھا اور پھر آپ چپ چاپ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ گویا آپ خان و جاہت کو جتنا چاہتے تھے کہ اب اس کی خیر نہیں..... میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ ارے مارنا ہی تھا تو لکار کو مارا ہوتا۔ پچھلی رات بہترین موقع تھا جب اس نے اس کا بازو آپ کے بازو سے زبردستی کیجھ لیا تھا۔ کل تو کھڑے منہ دیکھتے رہے تھے۔“

”یہ دھاکہ کس جگہ ہوا تھا جیڈ صاحب۔“

”زیر و روڈ اور ایگل روڈ کے چوراہے کے قریب.....!“

”ہوں..... اچھا.....!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا اور مزید کچھ کہے بغیر اندر چلا گیا۔
حمدید ہیں بیٹھا سوئنگ چیئر میں جھوٹا رہا۔ ذہن پر ناخنگواری کیفیت طاری تھی۔
خوزی دیر بعد فریدی پھر واپس آگیا۔ لیکن اس کے ہوتوں پر طنزی مسکراہٹ تھی۔
حمدید نے اسے استغفار میں دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

”ہاں ایک دھاکہ سنا ضرور گیا تھا اور گاڑی کی ذکر سے دھوان بھی نکلتا دیکھا گیا تھا۔
وہ گاڑی رکی بھی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی زیر و روڈ پر مزگنی تھی۔ پولیس کو اس گاڑی کی تلاش ہے۔
نمبر بھی کوئی نہیں دیکھ سکا تھا۔“

”تو یہ اطلاع آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔“

”اگر وہ ٹائم برم تھا تو گاڑی کے پر خپے اڑ جانے چاہئے تھے۔ تم کہتے ہو کہ ذکر سے صرف دھوان نکلا ہوا دیکھا تھا تم نے..... حدیہ ہے کہ ذکر کے کھلاٹک نہیں، کم از کم اُسے ہی قبضو سے اکھڑ جانا چاہئے تھا۔ غالباً اس دھوئیں کی نمائش کے لئے وہ پہلے ہی پوری طرح بند نہ کیا گیا ہو گا۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔“

”آج کل میں نہیں جاتا کہ میں کہاں ہوں۔“ فریدی نے چلانے کے سے انداز میں کہا۔
”مجھے بھی وہیں بلوں بخجھے.....!“ حمید ملتبیانہ بولا۔

”نہیں..... تم نہیں..... یہ معاملہ تمہارے معیار سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔“

”اوہ..... لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے وہ بلا محض آپ کی وجہ سے گلے لگائی ہے۔ آج شام اس نے پورے یقین کے ساتھ اپنے پچھلے بیان کی تائید کی تھی۔ وہ وعی ہے جو شکا گو میں رلانے والی کہلاتی ہے۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید اُسے گھوڑا رہا۔ فریدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ دھنٹا اس نے سر اٹھا کر کہا۔ کل صح دس بیجے تک میں تمہیں بتا سکوں گا کہ تمہاری نئی دوست کا بیان صحیح ہے یا غلط.....!“

”بھلا دو کس طرح۔“

”حمدید کیا تم کافی کے لئے کہہ سکو گے۔“

”آپ کھر میں بیٹھنے ہوئے ہیں ہائی سرکل میں نہیں۔“

فریدی خود ہی اٹھا اور پکن کی طرف چلا گیا۔

حمدید ایک بار پھر ڈانو اڈول ہو رہا تھا۔ یہ عشق اور رقبابت کا چکر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہارڈ اسٹون بدستور بخیر ہے۔ پھر کیا قصہ ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر دھنٹا چونک پڑا۔ تیز قسم کی روشنی پر پڑی تھی۔

کسی کی گاڑی پچالک میں داخل ہو رہی تھی۔ کون ہو سکتا ہے اس وقت۔ قاسم کی طرف

خیال گیا۔ ممکن ہے دماغ میں کھلی اٹھی ہو۔

بہر حال گازی سید ہی پورچ میں چلی آئی۔ حمید اٹھ گیا۔ نہ صرف اٹھ گیا بلکہ الرٹ بھی ہو گیا۔ کیونکہ گازی اسی کے مجھے کے پرمنڈنٹ کی تھی۔

وہ گازی سے اتر ہی رہا تھا کہ فریدی بھی اندر سے آگیا۔

”اوہ..... آپ.....!“ وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”ہاں..... مجھے ہی آتا پڑا۔“ سوپرنے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”تعریف رکھئے جتاب.....!“ فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”شکریہ.....!“ اس نے بیٹھنے ہوئے کہا اور حمید کی طرف دیکھا جیسے وہاں اس کی موجودگی غیر ضروری سمجھتا ہو۔

”تم ذرا کہہ دو..... کافی جلدی چاہئے۔“ فریدی نے حمید سے کہا اور حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

”جہنم کی کسی بھی پر کیتیلی رکھوادو۔“ وہ راہداری سے گزرتا ہوا بڑا یا تھا۔

سیدھا اپنے کرنے میں آیا۔ مقدمہ حقیقتا کافی کے لئے جلدی نہیں تھی بلکہ اُسے وہاں سے ٹالنا ہی مقصود تھا۔ وہ اب فریدی کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ لہذا پھر میٹھا فون پر ٹوٹ پڑا۔ خواہ مخواہ کسی نہ کسی سے جھکڑا کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ بس قاسم کے فربرڈائل کے۔

جانا تھا کہ قاسم کا ایک انسر و منٹ خواب گاہ میں بھی رہتا ہے۔

تمن بار فربرڈائل کرنے کے بعد دوسری طرف سے قاسم کی دہاڑ سنائی دی تھی۔

”قون ہے..... میں سورہا ہوں۔“

”بالکل الو کے پڑھے ہو۔“ حمید نے آواز بدل کر کہا۔

”قیا..... ابے ہوش..... ہوش میں تو ہے۔“

”تمیز سے بات کرو دردہ مار مار کر بھس بھر دوں گا۔“ حمید نے کہا۔

جواب میں قاسم نے شائد گالیاں ہی دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن غصہ اور بوکھلاہٹ

”وہ گالیاں معنویت کی حامل نہیں ہو سکی تھیں۔“

”یہ کتوں کی طرح کیا بھونک رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔ غالباً قاسم سانس لینے کے لئے رک گیا تھا۔ لیکن پھر دوسری طرف سے آواز نہیں آئی۔ ویسے سلسلہ بھی منقطع نہیں کیا گیا تھا۔

”ابے رسیور ہاتھ میں لئے ہی سو گیا کیا۔“ حمید نے پھر کہا۔

”ابے قون..... سالے.....!“ قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔ غالباً پہلے وہ غصہ اور حیرت کی زیادتی کی بنا پر کچھ نہ کہہ سکا ہو گا۔

”میں قوئی بھی ہوں..... لیکن تمہیں آج رات بھروسے نہیں دوں گا۔“

”اوہ..... غرایی..... قون ہے قوع.....!“ اس بار قاسم حلق کے میں چیخا تھا۔

حمدی اس کی عادت سے واقف تھا کہ ہار مان کر رسیور نہیں رکھے گا۔ جتنی دیر چاہو الجھائے رہو۔ اس سے پہلے بھی اکثر وہ جی بہلانے کے لئے اسکی حرکتیں کر چکا تھا۔ لیکن کبھی قاسم کو اس کا علم نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ حرکت اسی کی ہوتی ہے۔

”میں تمہارا خون پی لوں گا دردہ زبان کو گام دو شور کے پیچ۔“ حمید نے کہا۔

”جبان..... ابے اپنی جبان بھی تو دنخ..... اللہ عاشرت کر دے اسے سالا..... اپنی جبان نہیں دیجتا۔“

”تمہیں تمیز ہی سے گنگوہ کرنی چاہے..... میں چاہے کتنی ہی گالیاں کیوں نہ دوں۔“

”تیرے باپ کے دادا کی دھونس ہے قوئی۔“ قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

”صرف میں ہی کافی ہوں تمہارے لئے۔ باپ دادا کو کون تکلیف دے۔ الو کے پڑھے۔“

”بہت جلد مرے غاسلام تم..... دو ماہ بعد پھر جی جانے تو جگایا ہے مجھے۔“

”اب تو روز جگاؤں گا..... مرغی کے جم.....!“

”ابے..... ابے..... یہ کیا غالی ہوئی..... مرغی کے جم.....!“ غالباً قاسم کی ڈھنی رو بھک گئی تھی۔

”ترکی زبان میں یہی چلتی ہے۔“

”چلتی ہوئی..... مجرتم!“

”میں ایک لڑکی ہوں..... آواز بدل سکتی ہوں۔“

”نہیں.....!“

”ہاں..... پیارے۔“ اس بار حمید نے باریک سی نسوانی آواز نکالی اور جواب میں دوسری طرف سے قاسم کی ”عی عی عی“ نتالی دینے لگی اور پھر اس نے کہا۔ ”تو تم مجھے غالیاں..... قیوں دیتی رہتی ہو۔“

”محبت میں پیارے..... چرانے کے لئے۔“

”تو آواج بھاری قرنے کی قیا جرودت ہے..... اپنی مشینی والی آواج میں غالیاں فرو..... الاقسم فس فس کرسنیوں گا۔ عی عی عی۔“

”واقعی الو کے پچھے معلوم ہوتے ہو۔“ حمید نے نسوانی عی آواز میں کہا۔

”بلقل..... بلقل..... عی عی عی۔“

”تم مجھے دیکھتے ہی رہتے ہو لیکن کبھی نہ جان سکو گے کہ وہ میں ہی ہوں۔“ حمید نے کہا
”اللہ قدم بتادو..... تمہیں میری جان کی قدم.....!“ قاسم صاحب گھمیل ہیل ہونے لگئے
”نہیں..... ہرگز نہیں..... یہ تو نہیں بتاؤں گی۔“ حمید نے کہا اور تھیک اسی وقت فرید
نے اس کی گردن دبوچ لی اور ریسور اس کے ہاتھ سے چھین کر خود سننے لگا۔ اس وقت قاسم کو
رہا تھا۔ ”الاقسم بتادو میں تمہیں اپنی دل تی رانی بتاؤں گا..... بولو..... ہائے بولتی رہوںنا...
کھاموشی کیوں ہو غمیں.....!“

”اب میں اس نانچار کا باپ بول رہا ہوں۔“ فریدی غرایا۔

”ارے باپ رے..... غوپ.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا
فریدی بھی ریسور کہ کر حمید کی طرف مڑا۔

”آخر کب تک اس بچپنے اور جماقوں میں زندگی بسر کرو گے۔“

”غالباً ایسی پی صاحب کافی ہی پینے آئے ہوں گے۔“ حمید نے سنی کر کے کہا۔

”نہیں..... وہ مجھے اطلاع دینے آئے تھے کہ خان وجاہت نے کچھ دیر پہلے میرے
خلاف ایک تحریری رپورٹ انہیں دی ہے۔“
”کس سلسلے میں.....!“

”میں ان کی گرل فرینڈ پر ڈورے ڈال رہا ہوں اور انہیں حراساں کرنے کیلئے میں نے
ان کی گاڑی کے ڈکے میں دھماکے کے ساتھ پھٹنے والا کوئی مادہ رکھوادیا تھا..... وغیرہ وغیرہ۔“
”ثبوت کیا ہے اس کے پاس.....!“

”کل رات نیا گرہ میں کچھ آدمیوں نے دیکھا تھا کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کو میرے پاس
سے گھیٹ لے گیا تھا اور آج شام کو تمہاری عی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی ہائی سرکل کلب
میں مجھ کو اسے خونخوار نظریوں سے گھوڑتے ہوئے دیکھا ہوگا۔“

”کیا ان گواہوں کے نام بھی رپورٹ میں درج ہیں۔“

”اوہو..... اس کے بغیر تو وہ رپورٹ کوئی وقعت ہی نہ رکھتی۔“

”لہذا اب تو مجھے بتا دیجئے کہ یہ کیا چکر ہے۔“

”کل بتاؤں گا..... اس سے پہلے نہیں۔“

حمدیکچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کا دروازہ کھلکھلایا۔

”کون ہے..... آجاؤ۔“ فریدی نے بلند آواز میں کہا۔

ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

”کیا بات ہے؟“

”ڈرائیورگ روم میں..... ایک صاحب۔“

”کون ہے؟“

”مجھے میں نہیں آتا صاحب۔ انگریزی بھی فرانسیسی والی ہے۔ کوئی انگریز ہی ہیں۔“

حمدی جو فریدی سے پہلے ہی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا بولا۔ ”مجھے پوچھ رہی ہوں گی۔“
پھر وہ ”بلڑز سرپٹ“ ڈرائیورگ روم تک آیا تھا۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی

چاہئے۔ اس طرح اس خواہش کی سمجھیل میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔"

"میں نے پوچھا تھا کیا تم نے احتجاج کیا تھا اس روپورٹ کے خلاف۔"

"ہاں ہاں..... میں نے اُسے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر اُس نے کیا کہا۔"

"اس نے مجھے دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا کہ وہ یہاں کے باشہ لوگوں میں سے ہے۔ میں ہوئے کہا اور حمید کھڑا احتجانہ انداز میں پلکتیں جھپکاتا رہا۔ اتنے میں فریدی بھی اندر آگیا۔ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گی اگر وہ زبردستی پر اتر آیا۔ میں بھی سوچ کر خاموش رہ گئی کہ خواہ خواہ "کمال.....!" وہ اس کی طرف چھپتی اور پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھوں میں لے لئے ہیں۔

"وہ درندہ ہے کمال..... پہنچنیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ ابھی مجھے معلوم ہوا کہ اس۔"

"تو کیا ہو گا..... مجھے اسی پولیس آفیسر کے پاس لے چلو جسے تمہارے خلاف درخواست ایک پولیس آفیسر ہو..... یقین جانو خود اسی نے گاڑی میں کوئی ایسی چیز رکھی ہو گی جو دھماکہ لاتھر ہوں گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید تو شروع ہی سے اپنی کھوپڑی سہلا تارہا تھا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا اور کبھی اس چاند کے ٹکڑے کی طرف۔ فریدی سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اس کچیرے پر گھری تشویش کے آثار تھے۔

"تم کیا سوچ رہے ہو۔" دفتاری عورت بولی۔

"خان وجاہت واقعی باشہ آدمی ہے اور خطرناک بھی۔"

"تو تم اُس سے ذرگئے ہو۔ میں تو تمہیں ایسا نہیں سمجھی تھی۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ حکومت کے ذمہ داروں سے اُس کے خاندان والوں عرصہ سے مشرق کی سیر کا شوق تھا۔ میں نے وجاہت میں صرف اس حد تک کوشش محسوس کی کہ اُنمیں۔ وہ میرے خلاف بہت کچھ کر سکے گا۔"

"میں کہتی ہوں مجھے اس پولیس آفیسر کے پاس لے چلو۔ میں صاف کہہ دوں گی۔"

"اُس سے کچھ نہیں ہو گا۔"

بریک لگ گئے۔ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ ساتھ ہی دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کار کے بریک کی طرح اس کے جسم کا کوئی حصہ بھی چڑھا دیا ہوتا۔ کیونکہ یہ وہی محترمہ تھیں جن کی وجہ سے اس کی دوسری رات بھی غارت ہوئی جا رہی تھی۔ وہ حمید کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"مم..... میں کمال سے ملتا چاہتی ہوں.....!" اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھ ہوئے کہا اور حمید کھڑا احتجانہ انداز میں پلکتیں جھپکاتا رہا۔ اتنے میں فریدی بھی اندر آگیا۔ "کمال.....!" وہ اس کی طرف چھپتی اور پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھوں میں لے لئے ہیں۔

"وہ درندہ ہے کمال..... پہنچنیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ ابھی مجھے معلوم ہوا کہ اس۔ پولیس کو تمہارے خلاف کوئی روپورٹ دی ہے اور مجھے یہ بھی کچھ ہی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ ایک پولیس آفیسر ہو..... یقین جانو خود اسی نے گاڑی میں کوئی ایسی چیز رکھی ہو گی جو دھماکہ لاتھر ہوں گی۔" سے پہنچ جائے..... وہ جنگلی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ اس نے میرے خلاف کوئی روپورٹ کی ہے۔" "اُرے مجھے ساتھ لے گیا تھا اس پولیس آفیسر کے پاس۔"

"تو تم نے بھی اُس سے کچھ کہا تھا۔ میرا مطلب ہے پولیس آفیسر سے۔" "میں کیا کہتی ہوں۔ وہ دونوں ملکی زبان میں گفتگو کرتے رہے تھے اور اس نے وہ روپورٹ بھی انگریزی میں نہیں لکھی تھی۔ بس مجھے بتا دیا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔" "تم نے احتجاج کیا ہو گا۔"

"یقیناً..... میں دراصل اسی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہم نویارک میں ملے تھے۔" عرصہ سے مشرق کی سیر کا شوق تھا۔ میں نے وجاہت میں صرف اس حد تک کوشش محسوس کی کہ اس سے دوستی کر لوں۔ میں نے اسے کبھی چاہا نہیں۔ ہاں تو میں مشرق کی سیر کرنا چاہتی وہ اپنے وطن واپس آ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ مجھے اس کے ساتھ ہی

”ای طرح ہنتے ہو۔“ حمید نے ڈپٹ کر پوچھا۔

”اب نہیں آؤں گا وہو کے میں چاہے جتنی بھاری آواز میں بولو۔ عی عی عی عی“

پھر حمید اسے بے تحاشہ گالیاں دیتا رہا اور دوسری طرف سے ”عی عی عی عی“ کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دیا تھا۔

گمشدگی

دوسری صبح حمید کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ کچھلی رات اسے نیند کیسے آ گئی تھی۔ غصے کے مارے آگ ہو رہا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی دروازے کی طرف چھڑا۔ ہینڈل گھما کر جھٹکا دیا۔

دروازہ کھل گیا۔ چند لمحے کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں گھورتا رہا پھر دروازہ بند کر کے بستہ پر جا بیٹھا۔

کچھلی رات نیند آ جانے پر اسے حریرت تھی۔ کیونکہ انہائی جلاہٹ کے عالم میں نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

کچھلی رات قاسم کو فون پر گالیاں دینے کے بعد اس نے پھر کرے سے باہر نکلا چاہا تھا لیکن دروازے کو باہر سے متقل پا کر تکوئے سے لگی تھی اور سر پر بھی تھی۔ غصہ کے مارے قریب قریب پا گل ہو گیا تھا۔

پھر یاد نہیں کس طرح غصہ فرو ہوا تھا اور اسے نیند آ گئی تھی۔ بہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ ڈیوٹی پر حاضری برحق لیکن اب وہ اپنی رات میں اس چھت کے شیخ نہیں گزارے گا۔ کوئی بات نہیں۔ اتنا ذیل سمجھ لیا ہے کہ رہا باہر سے متقل کر دیا گیا تھا۔ جیسے وہ محل ہو گا۔ لعنت ہے۔ زندگی میں محل بدل اکی اکی حادثت ہو جائے تو یار لوگ مر بیکوئی کی طرح گرتے ہیں۔ یہاں کیا غم ہے۔ اتنے قریب آ کر پھر پلٹ جانی والی لا کیوں کی صحیح تعداد بھی اسے یاد نہ ہو گی، ہونہا!

”پھر میں کیا کروں بتاؤ تمہارے ملک میں تنہا ہوں۔ مجھے اس درند پنجے سے رہائی دلاو۔“

”تم اپنے سفارت خانے سے کیوں نہیں رجوع کرتیں۔“

”لیکن میں کہوں گی کیا جب کہ سفارت خانے کو اس سے پہلے ہی مطلع کر چکی ہے اپنے دوست خان وجاہت کے ساتھ قیام کروں گی۔“

پھر دفتار وہ حمید کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”یہ کون ہے؟“

”میرا استاذ!“

”کیا ہر معاملے میں تمہیں است کرتا ہے۔“

”ہاں.....!“

”لیکن یہاں تو اس کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔“ وہ مخصوص انداز میں مسکراتی نے بھنا کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ فریڈی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جاو۔۔۔ آرام کرو۔“

اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے بہت بلندی سے نیچے پھینک دیا ہو۔ تیز وہ دروازے کی طرف مڑا تھا اور خواب گاہ میں آ کر کئی چیزیں توڑ دالیں تھیں۔ اپنے بال میں جکڑ کر سر کوئی جھٹکے دیتے تھے۔ پھر حلقت پھاڑ کر چیختے کوئی چاہا لیکن اس خواہش کو عملی پہنچا سکا۔

دل کا بخار نکلنے کے لئے زبان ایٹھنی جاری تھی۔ دفتار فون پر نظر پڑی اور وہ لفڑی پھر قاسم کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اب کے جواب ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

غالباً قاسم پھر نہیں سویا تھا۔

”او موئے حرامزادے۔“ حمید نے ماڈ تھپیں میں دہاڑ مار کر کہا۔ لیکن جواب میں ”عی عی عی“ سنائی دی۔

”کہا تمہاری بیوی مر گئی ہے کہ اس طرح رور ہے ہو۔!“ حمید نے کہا۔

”ارے مر بھی تو چکے قسمی صورت سے میں تو ہنس رہا تھا۔“

وہ چونک پڑا۔ کسی نے باہر سے دروازے کو لکھا تھا۔
”کون ہے..... آ جاؤ۔“ وہ غرایا۔

آنے والا حمید کامنہ لگا ملازم شریف تھا۔ حمید نے اسے خونخوار نظرؤں سے دیکھا۔
”صاحب دے گئے ہیں؟“ اس نے ایک لفافہ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
”بھاگ جاؤ۔“ حمید نے لفافہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا اور وہ چپ چاپ کھلک گیا۔

لفافے سے برآمد ہونے والی تحریر تھی۔

”حمد..... عزیزم..... تمہاری خفگی حق بجانب ہے..... لیکن بعد میں تمہیں اپنے خصے پر ندامت بھی ہو سکتی..... لیکن چھوڑے جارہا ہوں۔ تم اسی سے ایگل بیچ والے ہٹ میں آ جاؤ۔ میری تحریر ضائع کر دو۔“

فریدی۔“

اس نے غیر ارادی طور پر خط کو دیا سلاسلی دکھادی۔ کاغذ جل گیا۔ لیکن اس کا ذہن اس بھی اپنے طور پر بھلک رہا تھا۔ ایگل بیچ پر عیش ہو رہے ہیں۔

بہر حال تحریر نے ذہن پر اچھائی اثر ڈالا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ بھی حماقت ہی ہے کہ غصے کی بنا پر ناشتہ کہیں باہر کیا جائے۔ لہذا وہ ضروریات سے فارغ ہو کر ڈانٹنگ روم میں آیا۔
شریف یہاں بھی دکھائی دیا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اسے کچھ بتانا چاہتا ہے۔

”ابے کیوں میری جان کو آ گیا۔ دوسرا بار تیری شکل دیکھ رہا ہوں۔“ حمید نے اس سے کہا۔

”میں اب بے ہوش ہو جاؤں گا صاحب.....؟“

”میری طرف سے تو جان بحق بھی ہو سکتا ہے۔“

”نہیں صاحب مذاق نہیں..... رات آپ پتہ نہیں کہاں تھے۔ یہاں کیا کچھ نہیں ہو گیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”وہ میم صاحب تو آپ کے سامنے ہی آئی تھیں۔“

”ہاں تو پھر.....!“

”ٹھیک دو بجے رات کو ڈی آئی جی صاحب پہنچے۔ ان کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا اور ڈی آئی جی صاحب سے برابر کہے جا رہا تھا میرا دعویٰ ہے کہ وہ نہیں ہوگی۔ صاحب سوئے نہیں تھے۔ پتہ نہیں ڈی آئی جی صاحب سے انگریزی میں کیا بات چیت ہوتی رہی۔ دوسرا آدمی غصے میں بھرا ہوا تھا۔ بار بار صاحب کی طرف مکاہلانا تھا۔ لیکن کمال ہو گیا صاحب کو ذرا سا بھی غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ مسکراتے رہے تھے۔“

”اور وہ عورت کہاں تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”کسی کمرے میں رہی ہوگی۔ کیونکہ بعد میں صاحب اسے ڈرانٹنگ روم میں لائے تھے۔“

”ان کے جانے کے بعد.....؟“

”صاحب ان کی موجودگی ہی میں..... عورت دوسرے آدمی کو دیکھ کر کچھ ڈری گئی تھی۔“

اس نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ وہ چینخے لگی تھی اور چینخے چینخے بے ہوش ہو گئی تھی۔ ڈی آئی جی صاحب ہمارے صاحب کو غصیل نظرؤں سے گھورتے رہے تھے۔ پھر انگریزی میں کچھ کہتے ہوئے انہیں لوگوں کے ساتھ چلے گئے۔“

”کن لوگوں کے ساتھ.....!“

”عورت اور دوسرے آدمی کے ساتھ۔ وہ بیہوش عورت کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔“

”اور پھر.....!“

”صاحب کچھ دیکھرے تھے اور مجھے خط دے کر وہ بھی کہیں باہر چلے گئے تھے۔ آپ والی موڑ سائیکل لے گئے ہیں۔ مجھ سے کہا تھا صبح جب آپ جائیں اُسی وقت ان کا خط آپ کو دیا جائے۔“

حمید نے طویل سانس لی اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوا۔

”وہ عورت کون تھی صاحب۔“

"اخاہ.....اب آپ کو یہ بھی بتایا جائے۔"

"ہم سب بہت پریشان ہیں صاحب۔ اپنے صاحب کے بارے میں کبھی کسی سے کوئی بُری بات نہیں سنی۔"

"جاو۔۔۔ کان نہ کھاؤ۔"

وہ نہ اسامنہ بنائے ہوئے چلا گیا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ سارے عی طلازم دل گرف نظر آ رہے ہیں۔

اب اس کے ذہن میں بھی پہلا سا غبار باقی نہیں رہا تھا۔ ذی آئی جی کی آمد۔ وہ دوسر آدی یقیناً خان وجہت رہا، ہو گا اور پھر ان محترمہ کی بے ہوشی۔۔۔ ناشتے کے بعد اس نے پھر شریف سے اس سلسلے میں پوچھ چکھ شروع کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عورت کا رسول مشتبہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آخر ڈی آئی جی کی موجودگی میں اس کا صرف چیخ چلا کر بے ہوش ہو جائیا محتی رکھتا تھا۔ شریف یادوسرے ملازم میں انگریزی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لیکن انہیں کم از کم اس کا سلیقہ تو تھا ہی کہ وہ بے معنی چیخ پکار اور کچھ کہے جانے میں فرق کر سکتے۔

یقیناً کوئی بڑا چکر تھا جسے فریدی اپنے طور پر نہنا نا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ حمید کی عصی را ہج آتی گئی اور وہ فریدی کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے گھر سے نکل کر رہا ہوا۔ لیکن کوئی کی کپاٹ نہ سے نکل کر سڑک پر ہوئی اور حمید نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کیا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

ایک چیخ پہنچتے پہنچتے شہر یقین میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کوئی تھی کہ قریب ہی بے گی چلی آئی تھی۔

ہٹ کے سامنے لیکن روکتے وقت وہ اس کے برادر ہی سے گزری چلی گئی تھی۔ اس میں صرف ایک ہی آدی تھا اور وہی اسے ڈرائیور کر رہا تھا۔

حید گاڑی سے اتر کر ہٹ کے دروازے پر آیا۔ محافظ نے پہلے ہی اسے دیکھ لیا تھا۔ لپکتے ہوا اس کے قریب آ کر بولا۔ "سلام صاحب۔۔۔ بڑے صاحب کا فون آیا تھا۔"

"کیا وہ بیہاں نہیں ہیں۔"

"نہیں صاحب۔"

"کب سے نہیں آئے۔"

"ایک مہینہ ہوتا ہے صاحب۔۔۔ بس تھوڑی دیر کے لئے آئے تھے۔"

"خبر۔۔۔ خیر۔۔۔ دروازہ کھولو۔"

چوکیدار نے قتل کے سوراخ میں کنجی لگاتے ہوئے کہا۔ "صاحب نے فون پر کہا تھا کہ آپ جب آئیں تو تمن چار سات گیاہ پر انہیں فون کریں۔"

"تمن چار۔۔۔ سات گیاہ۔۔۔!" حمید نے یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرا دیا۔ اس کی دانست میں یہ نمبر پہلے بھی اس کے علم میں نہیں آئے تھے۔

بہر حال کچھ دیر تھہر کر اس نے فون پر چوکیدار کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے۔

"ہیلو۔۔۔ تمہری فور سیوں ڈبل ون۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ لیکن یہ آواز تو فریدی کی نہیں تھی۔

"کیپشن حمید اسمیٹن۔!

"پلیز ہولڈ آن۔۔۔!" دوسری طرف سے آواز آئی اور کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر اس نے فریدی کو کہتے سن۔ "ٹھیک ہے۔"

"کیا ٹھیک ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ تم غالباً اس کا مقصد سمجھی گئے ہو گے۔"

"نہ سمجھوں تو زندہ رہنے کا فائدہ ہی کیا۔۔۔؟"

"بہر حال تم نے دیکھا ہے کہ اب ہم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔۔۔ بھکاتی طور پر بھی اور ان لوگوں کی طرف سے بھی۔"

"کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں۔"

"ختم کرو۔۔۔ فی الحال میں تمہاری کارگذاریوں پر خوش ہو رہا ہوں۔"

”اس طرف کا تعلق میری کس حماقت سے ہے۔“

”بصدق دل کہنہ رہا ہوں فرزند..... تمہاری حماقتیں زیادہ تو میرے لئے کارآمد ہوتی رہی ہیں۔ اس بار بھی اتفاقاً ایسا ہی ہوا ہے۔“

”وضاحت فرمائیے..... ورنہ میں خوشی کے مارے پاگل نہ ہو سکوں گا۔“

”وہ نیگر لیں..... صفورا.....!“

”اس پر تو کرم ہی سمجھے..... اب کیا میں اتنے کا بھی حقدار نہیں۔“

”خیرگوںی مارو..... میں دشواریوں میں پڑ گیا ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”خان وجاہت کی گاڑی کی ذکی میں میری انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اور دوسرا طرف وہ عورت بھی میرے ہی گمراہ سے برآمد ہوئی۔“

”شریف نے مجھے بتایا تھا۔ لیکن بات میرے پڑنے نہیں پڑی۔“

”عزیز القدر..... وہ تو بڑی عجیب چحویشن تھی۔“

”اب جلدی سے کہہ ڈالئے..... ورنہ میرے دم نکل آئے گی۔“

”بھی وہ پناہ لینے کے لئے میرے پاس آئی تھی..... لہذا میں نے ایک کمرے میں کے لئے انتظام کر دیا تھا۔ ڈھانی بیچے رات کو خان وجاہت ڈی آئی تھی صاحب سی سی آپنچا..... وہ مطالبہ کر رہا تھا اس کا۔ میں نے اسے بلوایا اور وہ پاگلوں کی طرح چھپنی ہوئی۔ ہوش ہو گئی۔ اب تم خود سمجھو فوری طور پر ان لوگوں نے کیا سمجھا ہوگا۔“

”اب کیا خیال ہے ان کا.....!“

”وہ ہوش میں آگئی ہے لیکن زبان بند ہے۔ کچھ بولتی عن نہیں۔“

”میں جا کر زبان کھلوادوں۔“ حمید نے چپک کر پوچھا۔ ”ہے کہاں.....؟“

”سول ہسپتال میں۔“

”تو پھر آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔“

”نی الحال آرام کر رہا ہوں..... میرے متعلق کسی کے بھی سوال کا صحیح جواب نہ دو۔ سوال کرنے والے خواہ ہمارے آفیسر ہوں خواہ ملنے والے۔“

”آخ رچکر کیا ہے..... خان وجاہت کی گاڑی کی ذکر کے میں آپ کی انگلیوں کے نشانات کیونکر ملنے۔“

”ظاہر ہے کہ وہ میری ہی انگلیوں کے نشانات تھے۔“

”اوہو..... تو وہ آتشکیر نادہ۔“

”وہ صرف ایک آٹو میک پناہ تھا..... مقصد یہ تھا کہ وہ دونوں کسی محلی جگہ میں گاڑی سے باہر نکل آئیں۔“

”آخ رکیوں؟“

”عورت کی تصویر لئی تھی۔“

”میری سمجھ میں نہیں آیا۔“

”امتحن ہو..... تمہاری اس نیگر لیں دوست کے بیان کی تصدیق کرنی تھی۔“

”تو کیا.....؟“

”ہاں..... تصدیق ہو گئی ہے۔ اس کا بیان درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ نیک نام عورت نہیں ہے۔ کسی دور دراز اسٹیٹ سے نام بدل کر پاسپورٹ حاصل کیا ہو گا اس نے..... بہر حال شکا گو پولیس کی رپورٹ اس کے بارے میں اچھی نہیں۔“

”کیا چکر رہے۔“

”کچھ بھی ہو کیس کی کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر رہے گا مطمئن رہو۔“

”لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ نے اپنی انگلیوں کے نشانات کیسے چھوڑ دے۔“

”جان بوجھ کر۔ فی الحال تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ویسے تمہیں عام طور پر ظاہر ہی کرنا ہے کہ تم میری گمشدگی کی وجہ سے پریشان ہو۔“

”کیا قیام نہیں رہے گا۔“

”ضروری نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔“

”ایک بات اور بتا دیجئے۔ کیا وہ عورت کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں دریافت ہوئی تھی۔“

”نہیں..... بس یونہی اتفاقاً..... دریافت نہیں ہوئی تھی بلکہ اب تو بھی کہنا چاہئے کہ اس

نے مجھے دریافت کیا تھا۔“

”نام کیا ہے۔“

”نما اسکرائٹ کے نام سے شاگو پلیس جانتی ہے۔ یہاں ایمی نور کے نام کے پاسپورٹ

پر آئی ہے۔ خیر ہاں تو سنو۔ تم جب بھی چاہو اسی فون نمبر پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ میں

نہ طوں تو پیغام لکھوادو۔“

”کچھ اور.....!“

”نہیں بس.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حید نے طوبی سانس لی اور رسپورٹ کے قریب آ کھڑا ہوا۔

آسمان پر پادل تھے اور سندھر کی طرف سے آنے والی ہوا خنک تھی۔ بہر حال بھیثت

مجموعی وہ دون خونگوار کہا جا سکتا تھا۔ اس نے پاپ میں تباکو بھرتے ہوئے سوچا یقیناً وہ لوگ

فریدی کو کسی جاں میں پھانستا چاہتے ہیں۔ مگر خدا کی پناہ..... یہ عورتی..... اس کے انداز میں

کتنی پردوگی تھی جب وہ فریدی کے ساتھ وقوع کر رہی تھی۔ آنکھوں میں گویا محبت کا سندھر

نمایاں مار رہا تھا۔ ایسا لگتا جیسے وہ اپنے وجود کو فریدی کے وجود میں سود بینا چاہتی ہو۔ پھر کیسی

کربناک کیفیت اس کی آنکھوں میں نظر آئی تھی جب خان وجاہت اُسے فریدی کے پاس سے

کھیٹ لے گیا تھا۔ خداوند ایسے سب کچھ کیا ہے۔ یہ صلاحیت تو نے صرف عورتوں میں کیوں

و دیعت کی ہے۔ پھر اسے صفورا یاد آئی اور اسے تسلیم کر لینا پڑا کہ خودقدرت ہی فریدی پر ہبربان

ہے۔ ورنہ کیا یہ ضروری تھا کہ وہ اس کی ضد میں کسی ایسی عورت سے جاں لکھ رہا جو اس عورت نما

اسکرائٹ سے اس حد تک واقف ہوتی۔ بہر حال صفورا کے بیان کردہ حالات جانے سے قبل فریدی

نما اسکرائٹ کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا تھا۔ کیا کہا جا سکتا ہے اس اتفاق کو۔
اس حد تک تو حید کی الجھن رفع ہو گئی تھی کہ اس کہانی میں فریدی کسی قسم کا روں ادا کر رہا
ہے لیکن اب یہ فکر تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کرے گا کیا۔

وہ کافی دیر تک کھڑکی کے قریب کھڑا پاپ کے ہلکے ہلکے لشکر لیتا رہا تھا۔ اس کے بعد جو
شامت نے گھیرا تو دریافت حال کے لئے سرجنت رینیش کو فون کر بیٹھا۔ اس نے کہا فوراً آفس
پہنچو ورنہ تم بھی لا پہنچ قرار دے دیئے جاؤ گے۔

اور پھر جب وہ آفس پہنچا تو وہاں کافی سختی پہنچی ہوئی تھی۔ فریدی کے حریف آفسروں
نے اُسے گھیر لیا اور وہی افواہ سننے میں آئی جس کا خدشہ تھا۔ اخواہ بالجبرا اور اسکی زبردستی کو وہ
ہوش و حواس میں کھو بیٹھی۔ ایک انسپکٹر نے تو کھل کر کہا تھا کہ فریدی صاحب کا تجد رنگ لایا
ہے۔ بلا آخر بوكلا گئے حضرت۔ ساری بندشیں نوٹ گئیں۔ ایسے خط الحواس ہوئے کہ سالہا
سال کی نیک نایک کو داغ لگا بیٹھے۔ حید کیا یوں۔ بس ستا اور لطف لیتا رہا تھا۔ پھر ایک صاحب
کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے ہرے لے لے کر بولا تھا۔ ”بس کیا پوچھتے ہیں صاحب۔
مجھے تو صحیح علم ہو سکا جب چڑیاں کمیت چک جھی تھیں۔ ویسے رات کو ڈیڑھ بجے آنکھ کھلی تھی
اور میں نے کسی ضرورت سے باہر نکلا چاہا تھا لیکن نہیں نکل سکا تھا کیونکہ میرے کمرے کا
دروازہ باہر سے مغلل کر دیا گیا تھا۔ یقین بکھجے میرے فرشتوں کو بھی اصل واقعہ کا علم نہیں تھا
ورنہ جیخ جیخ کر پوری کوشی سر پر اٹھا لیتا۔ مجھے تو صح نوکروں سے معلوم ہوا تھا..... اوہ..... میں
نہیں جانتا کہ اب وہ کسی کو منہ دکھا بھی سکیں گے یا نہیں۔“

پھر اسے بر او راست ڈی آئی جی کے آفس میں طلب کر لیا گیا۔ ڈی آئی جی کے سامنے
پیش ہوئی اور اس نے دی سب کچھ بتایا جو اس سے پہلے دوسروں کو بتا چکا تھا۔

ڈی آئی جی کے استخار پر اس نے کہا۔ ”جذاب عالی یقین فرمائیے۔ میں اسکی کسی
کورت کے وجود کا علم نہیں رکھتا تھا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سب کچھ خواب ہے۔“

”مجھے بے حد افسوس ہے..... ایسا شاذ ار آفسر جسے مجھے کی ناک کہنا چاہئے اس طرح

شارع ہو گیا۔ اب کیا ہو سکتا ہے..... اگر وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لئے سامنے نہیں آ کوئی کیا کر سکے گا۔ کچھ بھی تو نہیں۔“

ڈی آئی جی بھی رنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔ حید کے ذہن پر بھی خواہ مخواہ افسردگی مل ہونے لگی۔

”اچھی بات ہے۔“ ڈی آئی جی نے ملاقات ختم ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
کم از کم ہر وقت مکملے کی پہنچ عی میں رہنا۔“

”بہتر جناب۔“ حید نے کہا تھا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا تھا۔

گورکھ دھندا

دو دن جوں توں گزرے اور تیرے دن تو حید کا دم گئنے لگا۔ فریدی کے بتائے ہو نمبروں پر فون کر کے پیغامات نوٹ کر اتار ہاتھا۔ خود اس سے ایک بار بھی گفتگو نہیں ہو سکی تھی تیرا دن گزارنا مشکل ہو گیا اور اب تو اسے بھی ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے فریدی سے اس گھناؤ نے جرم کا ارتکاب ہو گیا ہو۔ محنن کی وجہ غالباً یہی احساس تھا۔ اسی اطلاع ملی کہ خان وجاہت نے مکملے کے بعض آفیسروں کو نہ ابھلا کہا تھا اور ان پر یہ واضح کی تھی کہ اگر مجرم دو دن کے اندر اندر نہ پکڑا گیا تو وہ اس معاملے کو آگے بڑھادے پریس کو بھی مطلع کر دے گا کہ خود قانون کے محافظہ کس طرح قانون کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ خان وجاہت کو راہ چلتے لکار دے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش تھا کہ پھر قانون کے محافظوں کی غنڈہ گردی کے حوالے بھی دیئے جانے لگیں گے۔ دیے جانے نہیں سوچتا کہ قانون کے محافظ بھی آدمی عی ہوتے ہیں اور ذاتی تو ہیں پر انہیں بھی غصہ آ سکے۔

اسی شام کو وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں جی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ خان وجاہت سے نہ بھیڑ ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔ ان میں سے ایک نے حید کی طرف اشارہ کیا اور وہ تینوں سیدھے اسی کی میز کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

وہ اپنی میز پر تھا تھا۔ تین کریاں خالی تھیں۔ وہ اس کی اجازت حاصل کئے بغیر بیٹھ گئے۔ حالانکہ یہ کلب کے ضوابط کے خلاف تھا۔

”تم کیپٹن حید ہو۔“ خان وجاہت نے تو ہیں آمیز لجھے میں کہا۔

”ہاں..... اور بد تیزروں کا جزا توڑ دینے کے لئے شہرت رکھتا ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ہمارے معاشرے میں ایسا طرز تھا طب بد تیزی کے مترادف ہے۔“

”میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فریدی کیا ہے۔“ خان وجاہت میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

”تم ہو کون.....؟“ حید آنکھیں نکال کر دھاڑا۔

”شٹ اپ.....!“

حید اچھل کر کھڑا ہو گیا اور ٹھوکر مار کر کری ایک طرف گردی۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ بغلی ہولسٹر پر پہنچ گیا تھا۔

وہ تینوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

دھنٹا آن میں سے ایک آدمی نے خان وجاہت کی طرف مڑ کر لجاجت سے کہا۔ ”باس پلیز بات بڑھانے سے کیا فائدہ..... کیپٹن حید بہت اچھے آدمی ہیں۔“

”اچھا تو پھر تم ہی گفتگو کرو۔“ خان وجاہت نے کہا۔ لیکن اس بار بھی اس کا لہجہ چھاڑ کھانے کا ساتھ تھا۔

”بیٹھ جائیے کیپٹن.....!“ اسی آدمی نے حید کی گرائی ہوئی کری سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ”اب گفتگو دوستانہ ماحول میں ہو گی۔ باس ہمارے معاشرے سے کافی دنوں دور رہے ہیں۔“

اس اچانک تبدیلی کے لئے حید تیار نہیں تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ دوسرے ہی لمحے میں ہولسٹر

کل وہ محکمے کو اپنی نقل و حرکت سے باخبر رکھتا تھا۔ لہذا یہاں سے بھی اس نے فون پر ایک ذمہ دار آفیسر کو مطلع کیا تھا کہ وہ اس وقت یہاں موجود ہے۔

”تو یہ کہئے۔“ حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ”محکمے کا رروائی شناخت کے لئے وہاں لے جایا جا رہا ہے۔“

”اب جو کچھ بھی بھجنے۔ حکم نامہ آپ کے حوالے کر چکا ہوں۔“

”ہوں..... اُوں.....!“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”چلنے..... لیکن تمہری یہے۔ میں یہاں سے رو انگلی کی اطلاع بھی اپنے محکمے کے ایک ذمہ دار آفیسر کو دوں گا۔“

”آپ کی مرضی۔“

حمدیہ اُن تینوں آدمیوں کے ساتھ نیجر کے کمرے میں آیا۔ وہاں سے اپنے آفس کو اطلاع دی کہ وہ پر شنڈنٹ کے تحریری حکم کے مطابق خان وجاہت اور اُس کے دوساریوں کے ہمراہ خان وجاہت کی قیام گاہ پر جا رہا ہے اور پھر وہ باہر آگئے۔ خان وجاہت کے ساتھی نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہوش آجائے کے بعد وہ ہسپتال سے خان وجاہت کی کوئی میں منتقل کر دی گئی ہے۔

اور خان وجاہت کی کوئی کمرے میں بجھنے کر جہاں وہ عورت موجود تھی حمید پر یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ اس کے لئے باقاعدہ طور پر جاں بچایا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں اس نے ڈی آئی جی کو بھی بیٹھے پایا۔ عورت ایک آرام کری پر نیم دراز تھی اور پہلے سے کہیں زیادہ حسین دکھائی دیتی تھی۔

”ہاں.... بھی ہے۔“ اس نے حمید کو دیکھتے ہی کہا۔ ”یہ آدمی اس وقت وہاں موجود تھا۔“

ڈی آئی جی نے قہر آلو نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور حمید سمجھ گیا کہ کچھ اس سے پہلے امر سنگھ اور ریش کی شناختی پر یہ ہو چکی ہے۔

”مرا خیال ہے کہ آپ نے خواب دیکھا تھا۔“ حمید ڈھنڈلی سے بولا۔

”فضول بکواس مت کرو۔“ ڈی آئی جی نے غصب تاک ہو کر کہا۔

سے روی الور نکال لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو گا۔ بہر حال اُسے طوعاً و کرہاً بیٹھنا پڑا۔ اُسی میں نیجر بھی دوڑا آیا تھا۔ لیکن وجاہت نے ہاتھ کے بے ذہنگی اشارے سے اُسے واپس فرما کر کہا۔ وہ بے بُسی سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا چپ چاپ چلا گیا۔

”مادام ایلی نور..... ہوش میں آگئی ہیں۔“ وجاہت کے ساتھی نے کہا۔ ”مطلوب اب وہ گفتگو بھی کر سکتی ہیں۔“ ہم نے اُن سے اُنکی خیریت معلوم کرنی چاہتی۔ لیکن انہوں نے کو وہ کرنل فریدی کے اسنٹنٹ ہی کی موجودگی میں گفتگو کر سکیں گی جو اس وقت وہاں موجود تھا۔“ ”تو پھر آپ حضرات سید ہے یہ پاس کیوں چلے آئے۔ کرنل فریدی کے اسنٹنٹ اور بھی ہیں۔ سارجنٹ ریش اور سردار امر سنگھ.....“

”اُن دونوں حضرات کے تعارف پر وہ اُن سے اپنی ناداقیت کا انتہا کر چکی ہیں۔“

”پھر یہ قطعی غلط ہے کہ اُن کی مراد بھے ہو گی..... میں تو بے خبر سورہ تھا۔“

”یہ تو وہ بیان ہے جو آپ نے اپنے محکمے کو دیا ہے۔“ دوسرا آدمی اپنی آنکھ دبا کر مسک

”میرے پاس دوسرا کوئی بیان نہیں ہے۔“

”اچھا تو پھر از راہ انسانیت ہماری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ وہ بس کی مہمان تھیں۔“
had ہے سے بس کی سخت تو ہیں ہوئی ہے۔“

”بھائی..... میں تو اس تو ہیں کا ذمہ دار نہیں اور پھر چونکہ یہ معاملہ ایک کیس کی جیش حاصل کر چکا ہے لہذا میں اپنے پر شنڈنٹ کی اجازت کے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔“

”ہم آپ کے لئے اجازت نامہ ہی لائے ہیں..... ملاحظہ کیجئے۔“ اس نے جیب
ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

یہ اس کے لئے پر شنڈنٹ کا حکم نامہ ہی تھا جس میں کہا گیا تھا کہ مس ایلی نور کا یہاں
بند کرے۔

”ہمیں پر شنڈنٹ صاحب ہی سے معلوم ہوا تھا کہ آپ یہاں لیسیں گے۔“ ڈی آئی جی
بولا اور حمید نے پر تشویش انداز میں اپنے سر کو جبکش دی۔ ڈی آئی جی کے حکم کے مطابق

ضد ری تھی۔“

پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔ “یہ ہیں مسٹر مائیکل برگ شکا گو پولیس کے اسپکٹر بکار خاص۔“

“مائیکل برگ.....!“ عورت اچھل پڑی۔

“ہاں کتیا..... اب کہاں جاؤ گی نجع کر۔“ فریدی کا ساتھی بولا۔

اب حمید نے غور سے دیکھا وہ یقیناً ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔

“یہ کیا گور کہ دھندا ہے۔“ ذی آئی جی فریدی کی طرف متوجہ ہو کر بڑا ایسا۔

“مائیکل برگ..... یہاں سے چلے جاؤ۔“ فاختاً عورت اٹھتی ہوئی بولی۔ “یہ شکا گو نہیں ہے۔“

“آج چہلی بار تمہارے خلاف ایک واضح ترین ثبوت ہاتھ ہ آیا ہے۔ کیا مجھ تھی ہوت۔ میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا دیں گا۔“

“کیا ثبوت.....؟“

“شکا گو کی نوماکم از کم شکا گو کے لئے نوماہی رہے گی۔ ایسی نور نہیں بن سکتی۔ تم نے نام بدل کر جعلی پاسپورٹ پر سفر کیا ہے۔ دو حکومتوں کو دھوکا دیا ہے۔ تم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے۔ باقی ہم خود ہی انگلوالیں گے۔“

“تم کوئی بھی ہونکل جاؤ یہاں سے ورنہ دھکے مار کر نکال دوں گا۔“ خان وجاہت دھڑا۔

“میری موجودگی میں بھی۔“ فریدی استہزاً یہ انداز میں سکرا یا۔

ذی آئی جی بالکل خاموش تھا۔

خان وجاہت اسپکٹر مائیکل کی طرف گھونسہ نہ کر بڑھا۔

“ہوش میں آؤ۔“ فریدی اسکے درمیان آتا ہوا غرایا۔ “مجھے علم ہے کہ تم بہت طاقتور ہو۔“

“اچھا تو پہلے تم ہی لو۔“ خان وجاہت نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ لیکن وہی ہاتھ پل بھر میں فریدی کی گرفت میں تھا۔ وجاہت نے باسیں ہاتھ کو کام میں لانا چاہا لیکن وہ بھی فوری طور پر پکڑ لیا گیا۔ پھر شروع ہوئی زور آزمائی۔

حمدی نے خاموشی اختیار کی اور اندر کھو لارہا۔ اب اس عورت نے بولنا شروع کیا۔ باضھیل ایسے دل ہلا دینے والے واقعات بیان کر رہی تھی کہ شیطان کے کان بھی بہرے ہو جائیں۔

ذی آئی جی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آخر اس نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ “اب تم کیا کہو گے۔“

”جناب عالی! میں کیا عرض کروں۔ میں نے پہلے بھی ساری باتیں دوسروں سے سنی تھیں اور یہ واقعہ ان کی زبانی سن رہا ہوں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر کتنی صاحب ایسے ہی بہیانہ مودہ میں تھے تو انہیں اس کا ہوش کیسے رہا ہو گا کہ ان سے میرا بھی تعارف کرتے۔ انہیں یہ بتاتے کہ یہ میرا استہنث ہے اور اگر انہوں نے خود ہی اندازہ لگایا تھا کہ میں ان کا استہنث ہوں تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ میں نے اس نامعقولیت میں بھی انہیں است کیا ہو گا۔“

”تم کیا بکواس کر رہے ہو۔“ خان وجاہت بول پڑا۔

”شٹ اپ یور ڈرٹی سوا میں..... میں صرف اپنے آفیسر کو جواب دے ہوں۔“ حمید کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک ملازم ہانپتا کانپتا کر کے میں داخل ہوا۔

”سرکار وہ چلے آرہے ہیں..... روکے نہیں رکتے۔“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”کون.....!“ خان وجاہت دروازے کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔

آن میں سے ایک نے فلت ہیٹ اتارتے ہوئے ذی آئی جی کو سلام کیا۔

”تم.....!“ ذی آئی جی بوكھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔ ”اس طرح۔“

حمدی کا تو سرہی گھوم کر رہا گیا تھا۔ اس نے سوچا ممکن ہے فریدی کو یہاں ذی آئی جی کی موجودگی کا علم نہ رہا ہو اور وہ ہر قسم کی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر خان وجاہت سے نپٹنے کے لئے اس طرح زبردستی گھس آیا ہو۔

”جناب عالی.....!“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔ ”اس نازک موقع پر میری موجودگی بہت

”یہ کیا قلم ہے.....؟“ دفعتاً نوما بولی۔ ”ایک بڑے آفسر کے سامنے ماتحت کی جو ات.....!“

”فریدی.....!“ ڈی آئی جی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

”براؤ کرم فی الحال مداخلت نہ کیجئے۔ میرا خصوصی اجازت نامہ محفوظ ہے اور وہ ایسے موقع پر کام آتا ہے۔ خان وجاہت اگر تم نے جھٹکا دے کر اپنی کلائیں چھڑانے کی کوشش کی تو کلائی کی ہڈیوں کی ضمانت نہ دی جاسکے گی۔“

خان وجاہت کسی بچرے ہوئے بھیڑیے کی طرح غرار ہاتھا۔ لیکن شاید اس نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا کہ فریدی نے غلط نہیں کہا۔ اسی لئے اب جھٹکے سے کلائی چھڑا لینے کی کوشش ترک کر دی تھی اور اس پر پلا پڑ رہا تھا۔

دفعتاً فریدی ڈی آئی جی سے کچھ کہنے کے لئے اس کی طرف مڑا۔ ساتھ ہی نوما پر بھی نظر پڑی جس نے پستول نکال لیا تھا۔

”ہاتھ اٹھاؤ سب.....!“ تیز سیئی کی آواز میں چھپنی تھی اور فریدی نے بڑی پھرتی سے خان وجاہت کو پستول کی زد پر موڑ دیا تھا۔

”چھوڑ دو اسے ورنہ فارز کر دوں گی۔“

”خاموش رہو میری تو ہین نہ کرو۔“ خان وجاہت غرایا۔

”نوما! پستول زمین پر ڈال دو۔“ انسپکٹر ماٹیکل کی آواز تھی۔

”اچھا تو پہلے تم ہی سمجھی۔“ نوما کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی فریدی نے خان وجاہت کو دھکا دیا۔ فارز کی آواز ہوئی اور خان وجاہت کراہا۔

فریدی نے اسے اس طرح دھکیلا تھا کہ وہ نوما اور ماٹیکل کے درمیان آگیا تھا۔ اسی وقت نوما نے ماٹیکل پر فارز بھی جھوٹک مارا تھا۔ لیکن اسے دوسرے فارز کی مہلت نہ ملی کیونکہ اس کے بعد فریدی اس کی طرف جھپٹا تھا۔ نوما نے خان وجاہت کو ٹوکڑاتے دیکھا تھا۔ جھکی تھی اور پھر اس کا پستول فریدی کے ہاتھ میں نظر آیا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس نے اس کا پستول سنبھالا تھا۔

مرے ہاتھ سے بازو پکڑ کر اسے ماٹیکل کی طرف دھکلتے ہوئے کہا تھا۔ ”لواء سنجالو۔“ ماٹیکل نے اس کے بال مضبوطی سے پکڑتے ہوئے دو تین جھٹکے دیے اور وہ چوتھے ہوئی کتنا کی طرح بلبلانے لگی۔

خان وجاہت کے بائیں شانے میں گولی لگی تھی۔

”حمد.....!“ فریدی بولا۔ ”خان وجاہت کو جھٹکے کی حوالات میں دیتا ہے۔“ ”تم جو بھی کر رہے ہو۔“ ڈی آئی جی نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تو می اجازت نامہ کا حوالہ دینے کے بعد ذمہ داری مجھ پر ہوتی ہے۔ بہر حال میں کچھ دیر پ کو بھی مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔“

خان وجاہت نے پھر مزاحمت کرنی چاہی تھی لیکن فریدی نے بڑی سنجیدگی سے اسے مانے کی کوشش کی تھی کہ وہ زخمی ہے اگر اسکے ہاتھوں سے بھی ہریدر زخم پہنچ تو اسے افسوس ہو گا۔



دوسری شام کو حمید فریدی کے مہمان خانے میں انسپکٹر ماٹیکل کے لئے کاک ٹیل بارہا۔ ماٹیکل اور فریدی سگار سے شغل کر رہے تھے اور مغوراً ہم سروں میں ایک گیت گارہی تھی۔ حمید اسے یہاں لے آیا تھا لیکن اپنے بارے میں نہ جانے کیوں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خود ایک آفسر ہے۔ فریدی کو اپنے اس دوست پولیس آفسر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ اس کے کہنے پر مبینہ طور پر انہوں نے نوما کا تعاقب کیا تھا۔

ابھی تک حمید کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ آخر خان وجاہت کیوں حوالات میں دیا گیا ہے۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ وہ بھی نوما کے دھوکے میں آگیا تھا۔ اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھا۔

خاک نوما اتنی اذیت پسند بھی ہے۔ ہم تو اس کے کالے کاروبار کے متعلق کوئی واضح قسم کا فراہم کرنے کی فکر میں رہے تھے۔

”لیکن پھر وہ شکا گوئیں رلانے والی کے نام سے کیوں مشہور ہے۔“ حمید نے پوچھا۔
” بلاشبہ..... وہاں اس کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وجہ دوسرا ہے۔ بھولے
تھے تو جوانوں سے عشق کا ذہونگ رچاتی ہے اور پھر کچھ دنوں کے بعد انہیں ٹھکراؤ تھی ہے اور
اب خانوں میں بیشے نشر کی حالت میں روتے دیکھے جاتے ہیں۔“

”خان وجاہت کے خلاف آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔
”وہ تو کسی صورت سے نجی ہی انہیں سکتا کیونکہ اس نے یہاں کے پرانے جرام پیشہ لوگوں
ساز باز شروع کر دی تھی۔ انہیں نشیات کی ناجائز تجارت کے سائنسیں فک طریقوں پر پیچھر دیا
تھا۔ باقاعدہ کلاس لیتا تھا۔ حمید صاحب وہ سب میری گرفت میں آگئے ہیں۔ چار دنوں
بھی سب کچھ تو کرتا رہا ہوں۔ خان وجاہت کو مطمئن کر دیا تھا میں نے کہ میں پوری طرح
کے چکر میں پہنچ گیا ہوں۔ اسی یقین دہانی کے لئے میں نے اس گاڑی کے ڈکے میں
ہل کے نشانات چھوڑے تھے۔ وہ سمجھا شاکنڈ مجھ پر بھی رقبابت سوار ہو گئی ہے۔ اسی لئے وہ
دوما کے ساتھ ملوث کرنے میں جلد بازی سے کام لے گیا۔ میرے غائب ہو جانے پر سمجھا
ہل شہر ہی سے چلا گیا ہوں کیونکہ اس کی دانست میں فوری طور پر اپنی صفائی نہیں پیش کر سکتا
بہر حال وہ میری طرف سے مطمئن ہو کر اپنے کام میں لگ گیا اور میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔“
”مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے کر لیا۔“

”بیسویں صدی میں بیٹھ کر حیرت کا انتہاء کر رہے ہو۔ ارے نوما کی تصویر اسی رات کو
کے ذریعہ شکا گو بھوادی تھی اور دوسری صبح اسی ذریعے سے جواب وصول کر لیا تھا اور ماں کیل
گھر پہنچنے ہیں یہاں۔“

”آخری سوال..... سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ نے
دشت میرا کمرہ باہر سے مغلل کیوں کر دیا تھا۔“

فاختا فریدی نے اردو میں کہا۔ ”برخوردار..... اب اپنی اس عنبر قام کو رخصت کیجئے۔“ اور
حمد نے صفورا سے کہا۔ ”تم سانپ دیکھنا چاہتی تھیں۔ آؤ چلو میرے ساتھ۔“ حمید صفورا کو اس
مارت کے اس حصے میں لاایا جہاں سانپ تھے۔ راستے میں شریف مل گیا۔ اس نے صفورا کو اس
کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”تم اس کے ساتھ جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ اور پھر مہمان
خانے کی طرف پلٹ آیا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی اس وقت ماں کیل سے کسی اہم معاملے پر گفتگو
کر رہا ہوا۔ اسی لئے صفورا کو وہاں سے ہٹایا تھا۔ اس کا خیال غلط نہ تھا۔ فریدی اسکرہ ماں کیل
سے کہہ رہا تھا۔

”نوما یہاں خان وجاہت کی مد سے اپنے کاروبار کو مزید وسعت دینا چاہتی تھی۔ اس
طرح دنیا میں ایک بالکل ہی نیا بین الاقوامی گروہ نشیات کی ناجائز تجارت کے لئے تکمیل
پا جاتا۔ نوما اس کی سربراہ ہوتی اور ہمارے ٹکنے کی سربراہی خان وجاہت کے
 حصے میں آتی۔ یہاں کے جرام پیشہ میرے بارے میں کبھی کسی خوش فہمی میں جلا نہیں ہو سکے۔
 وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے راستے سے ہٹائے بغیر وہ کسی بڑے جرم کا ارتکاب نہیں
 کر سکتے۔ لہذا نوما کو مشورہ دیا گیا کہ کسی طرح مجھے الجہاد یا جائے نا کہ وہ اطمینان سے بزنس
 آرکانائز کر سکیں۔ خان وجاہت کی مولیٰ عصی میں یہ تدبیر آئی کہ خود مجھے ہی کسی معاملے میں
 ملوث کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کی دانست میں مجھے اپنی برأت کی ٹکر ہوتی اور میں چاروں
 طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے ہی الجھڑوں میں پڑ جاتا۔ بہر حال نوما خود ہی میری طرف آئی تھی
 اور خان وجاہت نے رقبابت کا ذہونگ رچایا تھا۔ مجھے پہلے ہی شہر ہو گیا تھا کہ کوئی چکر ہے لہذا
 معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے میں بھی نوما کی طرف جھکا چلا گیا۔ لیکن خان وجاہت کی
 رقبابت مجھے کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچنے دے رہی تھی۔ اچانک قدرت مہربان ہوئی مجھے پر اور وہ
 کالی لڑکی خود بخود عقدہ کشائی کا باعث بن گئی۔ میں نے تم سے رابطہ قائم کیا اور تم اس خوشی میں
 دوڑے چلے آئے کہ تمہیں پہلی بار نوما کے خلاف ایک واضح ترین ثبوت مل رہا ہے۔“
 ”میں تمہارا ٹھکر گزار ہوں..... پیارے دوست۔“ ماں کیل بولا۔ ”لیکن ہمیں اس کا قلعی

”میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ زبردستیوں والا ہی
ڈرامہ اٹھ کیا جائے گا۔ لہذا میں نے سوچا کہیں تم کوئی حماقت نہ کر بیٹھو..... عقل مند بننے کی
کوشش نہ کروالو..... کھلیل گبڑ جاتا اور اس طرح۔“

”ہوں..... اوں.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”ایک بات اور ہے..... خیر..... پھر سہی،
کبھی تھائی میں پوچھ لوں گا۔“

مائیکل ہنسنے لگا۔ فریدی سگار سگار ہاتھا۔

ختم شد